علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

شمارہ:09 جلد:24 ستمبر2015ء/ ذوالحجہ1436ھ

سرپرست اعلیٰ: حافظ عبدالوحید سوہدروی

ایگزیکٹو ایڈیٹر: مولانا عبدالمالک مجاہد

چیف ایڈیٹر: قمرالحمید فیصل علوی

ایڈیٹر: محمد نعمان فاروقی

سب ایڈیٹر: قاری ذکاءاللہ سلیم

مجلس ادارت

حافظ صلاح الدین یوسف | مولانا ارشاد الحق اثری | شیخ شبیر عثمانی | حبیب الرحمٰن
مولانا عبدالرحمٰن لدھیانوی | حافظ شبیر صدیق | حافظ عبدالستار حماد | مولانا ارشد کمال
حافظ عزیز الرحمٰن اعوان | پروفیسر نجیب کیلانی | حافظ فاروق عبداللہ | خلیل الرحمٰن بلوچ

مجلس نظامت

نجم الحمید | عکاشہ مجاہد | صاحبزادہ عبدالحفیظ مظہر | مولانا عبدالحفیظ فاروقی
حبیب کبریا | حافظ محمد ارشد

آرٹ سیکشن

حافظ عبدالماحد (کمپوزنگ) کاتب: احمد .

قانونی مشیر: ملک نور محمد سرفراز اعوان (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

■ ضیائے حدیث جاری کرانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہوجائے گا۔

■ منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے

دفتر ماہنامہ ضیائے حدیث 25 ہادیہ حلیمہ سنٹر، اردو بازار، لاہور

042 3731 0022 || ziaehadith1@yahoo.com

اطلاع عام: ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارہ یا چیف ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ نفس مضمون کی ذمہ داری صاحب مضمون پر ہے لہٰذا ادارہ یا چیف ایڈیٹر اس بابت قانونی طور پر بری الذمہ ہوگا۔
(چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور)

سرکولیشن منیجر: حافظ محمد حق نواز +92 300,332 88 66 057

مارکیٹنگ: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823

45 روپے قیمت فی شمارہ

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر: آن لائن کرانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith 0345-4495886-0
A/C No: 0038805201002063 +92 300 88 66 057 محمد حق نواز
M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch Lahore. Br Code: 1317 شناختی نمبر 38404-0967643-1

سالانہ زرتعاون

عام ڈاک 500 روپے | رجسٹری ڈاک 900 روپے | دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون: سعودی عرب 100 ریال | یورپی ممالک 50 یورو

ناشر محمد ادریس فاروقی | مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیاد: مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ 1959ء
بانی و مدیر ہفت روزہ ''مسلمان'' وطبی میگزین

بانی: مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی 2010ء

مندرجات

اداریہ	اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو	اداریہ	5
تجلیات قرآن	سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم اور ان کے جرائم	محمد نعمان فاروقی	7
انوار حدیث	انسانی تخلیق کے مراحل	الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ	11
اشاعت حدیث	دیگر انبیاء کے لیے صلی اللہ علیہ وسلم کہنا	فضل اکبر کاشمیری	15
دفاع حدیث	قربانی اور ضعیف وموضوع روایات	محمد شارب ابن شاکر السلفی	17
عقیدہ ومنہج	اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی	فضیلۃ الشیخ عبدالصمد رفیقی حفظہ اللہ	20
افتاء ارشاد	آپ کے سوال اور ان کے جواب	ابوالحسن عبدالخالق	25
افتاء ارشاد	شادی کے اخراجات کے لیے زکاۃ دینا	مولانا مفتی عبدالولی خان	28
تاریخ	تاریخ فرضیت حج	مولانا ابوالکلام آزاد	29
حکمت	قربانی کا پس منظر اور مقاصد	الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی	32
غلبہ اسلام	برمنگھم.....تو مسلمانوں کا شہر بن چکا ہے!!	ذکاءاللہ سلیم	39
انٹرویو	بسم اللہ سن کر وجہ پوچھی اور مسلمان ہوگیا!	ذکاءاللہ سلیم	42
احکام ومسائل	حرمت والے مہینے	حافظ شبیر صدیق	45
عالمی منظر نامہ	فرقہ واریت کا ذمہ دار کون؟	ابوضرار ملک	50
تعلیم وتعلم	کوچہ مہرباں میں	محمد سعید جلالپوری	54
طب و صحت	کمر درد سے بچیے!	حکیم راحت نسیم سوہدروی	59
سائنس وتحقیق	سیلاب، اسباب اور تدابیر	ڈاکٹر طارق ریاض	67
عالم اسلام	گنّی بِسّاؤ	محسن فارانی	72

www.facebook.com/Zia.e.hadith

اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو

وہی جی سی یونیورسٹی (لاہور) جس کو اقبالؔ پر ناز ہے.....آج وہیں سے ''اقبال'' شرمسار ہوگیا!!

پاکستان کے باسی 14 اگست بڑی دھوم دھام سے منا رہے تھے، آزادی کے نغمے کانوں میں گونج رہے تھے، پرچم لہرائے جارہے تھے، پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ پر بات ہورہی تھی، لوگ خوشی خوشی آپے سے اور گھروں سے باہر نکل رہے تھے۔ انھی دنوں سوشل میڈیا پر اسی اسلامی نظریاتی ملک کی ایک طالبہ احتجاج ریکارڈ کرارہی تھی۔ وہ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی (لاہور) میں بی اے اپلائیڈ مینجمنٹ میں داخلہ لینے کی خواہش رکھتی تھی۔ پہلے تو متعلقہ خاتون کوآرڈینٹر نے اس سے پس وپیش کیا۔ مگر وہ انٹرویو پینل تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ داخلہ فارم پر نقاب کے بغیر تصویر تھی اور انٹرویو پینل کے سامنے جیتی جاگتی تصویر نقاب اوڑھے ہوئے تھی۔ اب اس انٹرویو پینل کا اپنا فکری انٹرویو شروع ہوگیا۔ یا تو یہ شکر بجالاتے کہ اس دور میں بھی پردے کو اہمیت دینے والی طالبات موجود ہیں اور لیاقت اور قابلیت بھی رکھتی ہیں اور اس طالبہ کی حوصلہ افزائی کرتے مگر یہ پینل خود اسلامی تعلیمات اور اقدار وروایات کے انٹرویو میں ناکام ہوگیا۔ انھوں نے طالبہ پر پھبتی کسی کہ یہ آپ کی تصویر لگی ہوئی ہے جبکہ آپ نے نقاب کیا ہوا ہے۔ وہ کہنے لگی یہ تو پروسیجر کے تقاضے ہیں جبکہ ذاتی زندگی میں وہی انداز اختیار کرتی ہوں جو مجھے پسند ہے۔

بعد میں فیکلٹی کے ڈائریکٹر نے کہا کہ ہماری پالیسی ہے کہ ہم نے نقاب والی لڑکیوں کو نہیں رکھنا۔ اس سے ایشو بنتے ہیں۔ ایک دوسرے کی جگہ پیپر دے لیتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ طالبہ نے جواب دینے کی کوشش کی مگر پروفیسر صاحب نے کہا: یہ میرا فیصلہ ہے کہ میں نے نقاب والی لڑکیاں رکھنی ہیں کہ نہیں۔ آپ جیسی لڑکیوں کے لیے وومن کالج اور انسٹی ٹیوٹ موجود ہیں۔

اس طالبہ کا کہنا تھا کہ میرا یہ احتجاج جی سی یونیورسٹی میں داخلے کے لیے نہیں ہے میں تو اسلامی ملک میں رہنے والی اپنے جیسی طالبات کے لیے آواز اٹھانا چاہتی ہوں جنھیں اس جیسے مسائل پیش آتے رہتے ہیں۔

محترم قارئین! حقیقت یہی ہے کہ اس ملک کا مٹھی بھر دین بیزار طبقہ ہر فیلڈ میں موجود ہے جسے باحجاب خواتین اور باریش نوجوان ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ داڑھی والے نوجوانوں کو بھی بعض پروفیسرز کی طرف سے پریشان کیا جاتا ہے اور وہ کسی نہ کسی بہانے ایسے دینی ذہن وفکر کے حامل افراد کے لیے مشکلات کھڑی کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنی مرضی ان پر مسلط کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں عجیب وغریب تخیلات اور مفروضے دینا چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلامی اقدار کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ دراصل یہ وہی ابلیسی ایجنڈا ہے جس کے متعلق اقبال نے کہا تھا۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا　　روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات　　اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو　　آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو

یہ وہی علامہ اقبال کہہ رہے ہیں جو اسی یونیورسٹی میں 1897ء میں پڑھتے رہے اور بعد میں پڑھاتے بھی رہے۔ یہ یونیورسٹی آج تک اس پر نازاں ہے مگر دیکھیے! اب وہیں کے پروفیسر اہل حرم سے کیسے ان کی روایات چھین رہے ہیں؟ یقیناً فکری غلامی میں جکڑی قوموں کا یہی حال ہوتا ہے۔

اگر یہ محض ایک کالج یا یونیورسٹی کا معاملہ ہوتا تو اور بات تھی یہاں تو اکثر ایسی مشکلات پیش آتی رہتی ہے۔ پچھلے دنوں اسلام آباد کی یونیورسٹی کی

طالبات کو بھی اسی نوعیت کا مسئلہ پیش آیا تھا۔ اگر پاکستان کے باسیوں نے اسے برداشت کرنا شروع کر دیا تو آہستہ آہستہ عبائیں اور چادریں بھی دین بیزار طبقے کو چبھیں گی۔

مغرب زدہ پروفیسر حضرات صرف حجاب و نقاب اور داڑھی ہی کو نشانہ نہیں بناتے بلکہ انھیں اسلامی افکار سے چڑ ہے۔ جبکہ ان میں سے کئی ایک پاکستان کے بھی دشمن ہیں اور وہ دورانِ لیکچر اپنے بوسیدہ افکار، برے خیالات اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں شکوک وشبہات طلباء و طالبات کے ذہن میں ڈالتے رہتے ہیں۔ اقبال نے سچ کہا تھا ؎

ہم سمجھتے تھے لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

ادارہ ضیائے حدیث نے اس سلسلے میں سروے شروع کیا ہوا ہے کہ کون کون سے پروفیسر حضرات کیسے کیسے دین اور پاکستان کی دشمنی سٹوڈنٹس کے ذہن میں بھرتے ہیں یا ماضی میں ایسا ہوتا رہا ہے۔

محترم قارئین! آپ بھی اس حوالے سے حقیقی واقعات ادارے کو بھیجیں تاکہ ایسے دین بیزار اور ملک دشمن عناصر کو سامنے لایا جائے۔ تاکہ سٹوڈنٹس اور ان کے سرپرست ایسے دین بیزار اور ملک دشمن اساتذہ سے محتاط رہیں۔ انھیں اپنی علمی قابلیت پر ناز ہوگا تو مسلم قوم کو بھی اپنی اقدار عزیز تر ہیں۔

اگر یونیورسٹی کے ذمہ داران یہ کہہ سکتے ہیں کہ نقاب کے ساتھ پہچاننے میں دشواری ہے مگر کہیں پہچان کی ضرورت پیش آتی ہے یا خدشات و خطرات موجود ہیں تو فنگر پرنٹس سے بھی یہ کام لیا جاسکتا ہے۔ اور یہ تصویر سے بھی زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خواتین اور طالبات کو خواتین کے لیے مخصوص اداروں میں جانا چاہیے مخلوط اداروں میں ان کا کیا کام؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ خواتین کے لیے مخصوص ادارے برائے نام ہیں یا وہاں کا اتنا معیار نہیں ہے۔ خصوصاً ہائیر ایجوکیشن میں تو فقدان ہے۔ یونیورسٹی لیول کے شاید ہی کوئی ادارے ہوں جہاں مخلوط تعلیم نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی طالبات کو پھر ویسے ہی تعلیم سے روک دیا جائے۔ جیسے ہم اس طالبہ سے ہم آہنگ ہوکر حجاب و نقاب کی آواز اٹھا رہے ہیں۔ اسی طرح ہم اس ذہن کے بھی ہم خیال ہیں کہ مخلوط تعلیم نہیں ہونی چاہیے۔ مگر اس کے لیے معیاری ادارے بنانا پوری قوم کی ذمہ داری ہے۔ اور کیا ایسے پروفیسر جینز کی پینٹ، مختصر سی شرٹ اور رنگین چشمہ لگانے والی طالبات کو بھی یہی مشورہ دیں گے۔ نہیں کبھی نہیں۔ دراصل یہ امتیازی سلوک ہمارے معاشرے میں موجود ہے۔

اگر آج مغرب میں حجاب پر انھی وجوہات کی بنا پر پابندی لگے تو مسلم معاشرے میں ہیجان پیدا ہوتا ہے مگر اسلامی دنیا کے اہم ترین ملک کے ذہن ساز اور تربیت کنندہ شخصیات اور اداروں کا یہ حال ہے۔

مقام شکر ہے کہ طالبہ کی درخواست پر لاہور ہائیکورٹ نے نوٹس لیتے ہوئے یونیورسٹی کے ذمہ داران کو جواب دینے کا حکم نامہ جاری کیا ہے۔ فیصلہ جو بھی ہوگا وہ تو سامنے آہی جائے گا مگر اس سے دین دشمن عناصر کا اپنا ''نقاب'' اتر ہی گیا۔

اے کاش! آج امت مسلمہ کے اختیار میں میڈیا ہوتا اور امت کا ایک بلاک ہوتا اور بالکل اسی طرح جیسے ثانیہ مرزا کے خلافِ اسلام لباس میں ٹینس کھیلنے پر اسے عالمی میڈیا نے سر پر اٹھالیا تھا اور کلنٹن نے اسی کی حوصلہ افزائی کی تھی اور برطانوی وزیراعظم نے اسے مشرقی لڑکیوں کے لیے اعلیٰ نمونہ قرار دیا تھا یا جیسے ملالہ کو بھرپور کوریج دی جارہی ہے۔ آج اسی طرح اسلامی اقدار و روایات کی امین اس ''مہرین'' کی بھی کوئی حوصلہ افزائی کرتا اور اس جیسی طالبات اور خواتین کو بھی دین پر استقامت کا نمونہ میسر آتا۔ کیا پتہ اس نحیف سی آواز کو اللہ تعالیٰ عالم کفر کے میڈیا سے بھی زیادہ طاقت ور اور مؤثر بنادے!!







محمد نعمان فاروقی

سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم اور ان کے جرائم

قرآن مجید میں سابقہ قوموں کا ذکر مختلف پہلوؤں سے کیا گیا ہے۔ ان قوموں میں سے ایک قوم لوط بھی ہے۔ قرآن مجید میں اس کے جرائم اور متعدد سزاؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور ان کے تذکرے کے ساتھ ساتھ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ان کو ملنے والی سزاؤں میں عبرت اور نشانی ہے تاکہ بعد والے لوگ ان جرائم سے خود اور معاشرے کو بچا کر رکھیں۔

لوط علیہ السلام کی قوم کے بڑے جرائم

① ہم جنس پرستی: قرآن مجید مقدس ترین کتاب ہے اس کی تلاوت مساجد میں اور نمازوں میں بھی ہوتی ہے مگر جرائم کی نشاندہی میں بڑا واضح اسلوب اختیار کیا جاتا ہے تاکہ ہر سطح کے لوگ بڑی آسانی سے سمجھ لیں، اسی طرح اللہ کے پیغمبر بھی شرم و حیا کے پیکر اور معاشرے کی اصلاح میں بڑے محتاط اور حساس ہوتے ہیں مگر قوم کو بڑے واضح انداز میں سمجھاتے ہیں۔ چنانچہ قوم لوط کے اس جرم کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا: ﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ﴾ ''بے شک تم شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کو آتے ہو'' (الأعراف 81:7) اس جرم کی موجد بھی خود یہی قوم تھی۔ جس نے فطرت ہی کو مسخ کر دیا۔ دراصل اس قوم میں سے یہ بدبختی بھی شروع میں کسی ایک کے ذہن میں آئی ہوگی .....وہ شخص بھی کس قدر بدنصیب ہوگا!! جس کی وجہ سے قوم بھی مسخ ہوئی اور اس برائی کے اثرات اس قدر بڑھے کہ آج امریکہ و یورپ سمیت کئی ممالک میں اسے قانونی حیثیت حاصل ہوگئی گویا ان کے کاغذوں میں اب یہ جرم ہی نہ رہا۔ غیر اسلامی ممالک تو رہے ایک طرف اس پاک سرزمین کے کچھ ''پلید'' باسی اس کے قانونی جواز پر بحث کرنے لگ گئے ہیں۔ العیاذ باللہ! قوم لوط کا یہ وہ جرم ہے جو سب سے خطرناک تھا، لہٰذا قرآن مجید میں بھی

اسے نمایاں کیا گیا ہے۔

② راستے بند کرنا: قومِ لوط کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ وہ راستے بند کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ﴾ ''اور تم راستے بند کرتے ہو'' (العنکبوت 29:29) راستے بند کرنے کے کئی مفہوم ہوسکتے ہیں: راستے میں آنے جانے والے لڑکوں سے اپنی خواہش پوری کرکے یا لوٹ مار کرکے یا سرعام یہ کام کرکے یا پھر شرارتیں کرکے۔ دراصل یہ غلط شوق کبھی پورے نہیں ہوتے۔ زنا ہو یا دیگر بدکاریاں یہ آگے سے آگے کی طرف لے جاتے ہیں اور جہنم کی طرح «هل من مزيد» کی صدا لگاتے ہیں۔ اس کے لیے پھر راستے روکنا اور اپنی خواہشات کی تکمیل کرنا لازمی حصہ بن جاتا ہے۔ آپ دیکھتے نہیں اس قماش کے لوگ راستوں، گزرگاہوں، آرام گاہوں، ریستورانوں اور ہوٹلوں سے اپنے مقاصد سیئہ پورے کرلیتے ہیں۔ غلط مقاصد کی تکمیل کے لیے وسائل تو درکار ہوتے ہی ہیں اس کے لیے انھوں نے لوٹ مار شروع کردی۔ آج بھی آپ دیکھیں گے کہ غلط دھندوں میں ملوث لوگ اپنے وسائل بھی غلط طریقے سے حاصل کرتے ہیں۔

مگر ایسی بیماریاں جب افراد سے گزر کر قوموں میں منتقل ہوجائیں تو پھر کوئی روکنے والا بھی نظر نہیں آتا اور قوم ایک خاص ڈگر پر چل نکلتی ہے۔ کیا چھوٹے اور کیا بڑے سب ایک دھن میں مگن نظر آتے ہیں۔

③ عام مجلسوں میں بے حیائی کے کام اور باتیں: قومِ لوط کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ وہ اپنی مجالس میں بے حیائی کی باتیں اور افعال کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ﴾ ''اور تم اپنی مجلس میں بے حیائی کے کام کرتے ہو'' (العنکبوت 29:29) جب قوم مسخ ہوچکی ہو، فطرت بدل چکی ہو، اس کی صلاحیتیں غلط اور بے ہودہ مقاصد کے لیے صرف ہورہی ہوں تو کیا ان کی مجالس میں اللہ کے دین اور اس کی سربلندی کی باتیں ہوں گی؟ نہیں نہیں، اس قوم کی مجالس میں بے حیائیاں، منکرات، بے ہودگیاں اور غلط منصوبے ہی بنیں گے۔ یعنی قوم کے غلط شوق نے معیشت بھی تباہ کردی، امن وسکون بھی جاتا رہا اور اچھی گفتگو اور عمدہ باتوں کے تبادلے کے بدلے بے حیائی پر مبنی جملے بولے جانے لگے۔ ظاہر ہے وہ اپنی مجالس میں گزشتہ ''معرکوں'' اور آئندہ کی ''منصوبہ بندی'' اور غلط اقدامات کرتے اور چاہتوں کی خبرگیری ایک دوسرے کے سامنے رکھتے ہوں گے۔ دراصل قومیں ایسے ہی صفحہ ہستی اور اوراقِ تاریخ سے مٹ جاتی ہیں۔

④ برائیوں میں گرفتار قوم: قوم لوط کے حوالے سے قرآن مجید کا یہ بیان بھی ہے: ﴿وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ ''اور اس (تباہی) سے پہلے وہ برائیاں کرتے رہتے تھے'' (ھود 78:11) جیسے نیکیاں نیکیوں کو جنم دیتی ہیں، مثلاً: نماز پڑھنا ایک نیکی ہے۔ اس کے لیے طہارت، وضو، متعلقہ دعائیں، مسجد کی طرف جانا یہ سب نیکیاں ایک بڑی نیکی کی وجہ سے حاصل ہوگئیں، اسی طرح برائیاں برائیوں ہی کو جنم دیتی ہیں، لہٰذا گمراہ قومیں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہ جانے کن کن برائیوں میں ملوث ہوتی ہیں۔ آخر ایسے کام ایک وسیع نیٹ ورک اور مختلف لوگوں کے ملوث ہوئے بغیر کیسے ممکن ہیں؟

قوم لوط کے القابات

قرآن مجید نے قوم لوط کے مختلف بدخصائل ان کے القابات کی صورت میں ذکر کیے ہیں۔ قارئین! آپ جانتے ہیں کہ کچھ قومیں غیرت میں ممتاز ہوتی ہیں، کچھ بہادری میں، کچھ محنت میں، کچھ دین میں مگر لوط علیہ السلام کی قوم بھی کیسی قوم تھی جو کس بدخصلت سے دنیا میں پہچانی گئی .....اسی بدفطرتی کی وجہ سے اور بھی کئی قومیں معروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ آمین

قرآن مجید میں قوم لوط کے القابات

① مجرم قوم: ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ﴾ ''فرشتوں نے کہا ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔'' (الحجر 58:15)

② حد سے تجاوز کرنے والی قوم: ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُوْنَ﴾ ''بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو'' (الشعرآء 166:26)

③ فسادی قوم: ﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ ''(لوط علیہ السلام نے دعا کی) اے میرے رب! فسادی قوم کے مقابلے میں میری مدد فرما'' (العنکبوت 30:29) ان کی بدفطرتی ہی زمین میں فساد کی صورت تھی۔

④ زیادتی کرنے والی قوم: ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

مُّسۡرِفُوۡنَ﴾ ''بلکہ تم زیادتی کرنے والی قوم ہو۔'' (الأعراف 81:7)

⑤ جاہل قوم: ﴿بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ﴾ ''بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو جہالت برتتے ہو۔'' (النمل 27:55) جرم سے جہالت، سزا سے جہالت، اثرات سے جہالت، اور ہم جنس پرستی سے نسل انسانی میں کمی کی جہالت وغیرہ کتنی جہالتیں اکٹھی ہوجاتی ہیں۔

⑥ ظالم قوم: ﴿اِنَّ اَهۡلَهَا كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ﴾ ''بے شک یہاں کے باسی ظالم تھے۔'' (العنکبوت 31:29)

قوم کے اپنے نبی علیہ السلام سے مکالمے

مکالمے، ڈبیٹ اور بیانات کسی قوم کی عکاسی کرتے ہیں۔ آیئے! سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم کے مکالمے پڑھتے ہیں۔ سیدنا لوط علیہ السلام کی ہمدردی بھی دیکھیے اور قوم کی بے حیائی اور ڈھٹائی کا مشاہدہ بھی کیجیے۔

سیدنا لوط علیہ السلام: ''میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں جو تمھارے لیے (نکاح کے بعد) پاکیزہ ہیں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی سمجھدار آدمی نہیں ہے؟

قوم: آپ جانتے ہیں کہ آپ کی بیٹیوں میں ہمارا حق نہیں ہے اور بے شک جو ہم چاہتے ہیں وہ بھی آپ جانتے ہیں۔

سیدنا لوط علیہ السلام: کاش تمھارے خلاف مجھے قوت حاصل ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا۔

قوم: ''کیا ہم نے جہانوں سے آپ کو روکا نہیں تھا۔'' یعنی ہم نے اس بات سے نہیں روکا تھا کہ آپ کسی کی مہمان نوازی نہ کریں!! اب اگر مہمانوں کے سامنے آپ رسوا ہو رہے ہیں تو ہمیں کیا؟

''اے لوط! اگر تم (ہمیں روکنے سے) باز نہ آئے تو تم یہاں سے نکالے جانے والوں میں سے ہوگے۔''

سیدنا لوط علیہ السلام: ''بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے خواہش پوری کرتے ہو بلکہ تم تو زیادتی کرنے والی قوم ہو۔''

قوم: ''اور قوم کا جواب صرف یہی تھا: ''انھیں تم اپنی اس بستی سے نکال دو یہ بڑے پاک صاف بنے پھرتے ہیں۔''

گویا لوط علیہ السلام کی قوم سیدنا لوط علیہ السلام اور ان کے رفقاء کو وہاں سے نکالنے ہی کو اپنی کامیابی تصور کرتے رہے۔ ہر قوم کی اپنی اپنی حکمت عملی ہوتی ہے۔ مگر انھیں یہ خبر نہ تھی کہ یہی ہماری تباہی کا اعلان ہوگا۔

قوم لوط کو ملنے والی سزائیں

① بستی الٹ دی گئی: سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم مدینہ منورہ سے شام کے راستے میں بحیرۂ مردار کے قریب سدوم نامی بستی میں آباد تھی۔ بستی کے لوگ اپنے اپنے طور پر تباہی کا سامان اکٹھا کر رہے تھے۔ خواہشات کی تکمیل نصیحت قبول کرنے میں آڑے آئی ہوئی تھی۔ پھر اچانک ایک دن ایسا آیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ قرآن مجید نے اس دن کو ﴿یوم عصیب﴾ ''سخت ترین دن'' قرار دیا ہے۔ اور وقت بھی صبح صبح کا تھا۔ ﴿وَلَقَدۡ صَبَّحَهُمۡ بُكۡرَةً عَذَابٌ مُّسۡتَقِرٌّ﴾ ''اور البتہ صبح سویرے ان پر ٹھہر جانے والا عذاب آن پہنچا۔'' (القمر 54:38) یہ محض سزا ہی نہیں تھی بلکہ قوم کو نیست و نابود کرنے کا ایک نوشتہ!! پھر کیا ہوا؟ قرآن بتاتا ہے: ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ مَّنۡضُوۡدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِىَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ بِبَعِيۡدٍ﴾ ''تو جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اس بستی کے اوپر (کے حصے) کو نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر تہہ بہ تہہ کھنگر پتھروں کی بارش برسادی۔ ان پتھروں پر آپ کے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے اور وہ بستی ایسے ظالموں سے دور تو نہیں؟'' (ھود 11:82,83)

② زوردار چیخ نے آلیا: ﴿فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ﴾ ''انھیں سورج چڑھتے ہی زوردار چیخ نے آلیا۔'' (الحجر 15:73)

③ جڑ سے اکھیڑ دیا گیا: ﴿اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ﴾ ''بے شک ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی۔'' (الحجر 15:66)

④ نیست و نابود کر دیا گیا: ﴿ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ﴾ ''بعد ازاں ہم نے دوسرے لوگوں کو نیست و نابود کر دیا۔'' (الشعرآء 26:161)

⑤ آسمان سے عذاب: ﴿اِنَّا مُنۡزِلُوۡنَ عَلٰٓى اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ﴾ ''بے شک ہم اس بستی پر



آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں اس وجہ سے جو یہ گناہ کرتے ہیں۔'' (العنکبوت 34:29)

⑥ آنکھیں نہ رہیں: ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ﴾ ''تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا (ختم کر) دیں۔'' (القمر 37:54)

رہی بات سیدنا لوط علیہ السلام کی اہلیہ کی! اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ﴾ ''حقیقت یہ ہے وہ بھی اس عذاب کی لپیٹ میں آئی جس میں (قوم کے دوسرے) لوگ آئے۔'' (ھود 81:11)

اس خاتون کو قومی جرائم کا کوئی فائدہ نہ تھا، نہ اس کی خواہش کی تکمیل ہوسکتی تھی، ویسے بھی قوم کے ایک خاص گناہ میں ملوث ہونے کا نقصان عورتوں کو زیادہ تھا۔ کہتے ہیں قصور کے جس حالیہ واقعے میں جو علاقہ ملوث تھا وہاں کی عورتیں دوسروں کے ساتھ ''نکل'' جاتی رہی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ سیدنا لوط علیہ السلام کی اہلیہ مفت کے گناہ میں ملوث تھی۔ محض ساتھ دینے کی وجہ سے یا ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے کتنے ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مفت میں گناہ گار بنتے رہتے ہیں اور جرم دیکھ کر نہ روکنے والے مجرموں، یعنی گونگے شیطانوں کی تعداد تو ویسے ہی بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین

قوم لوط.....عبرت کا نشان: قوم لوط یا دیگر اقوام کے واقعات کو جس غرض کے لیے قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، اس سے کبھی پہلو تہی نہیں برتی گئی۔ خصوصاً قوم لوط کے فعل بد سے پہلو بدل بدل کر متنبہ کیا گیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے یہ بات سمجھائی گئی ہے۔

قوم لوط تم سے کچھ دور نہیں ہے: اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر عذاب کا تذکرہ کیا اور ساتھ ہی فرمایا: ﴿وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴾ ''اور قوم لوط تم سے کچھ دور نہیں۔'' (ھود 89:11) جس عہد اور علاقے میں قرآن مجید نازل ہوا اس سے تو یہ بستی دور نہیں تھی بلکہ ان کے شام کے راستے پر ہی واقع تھی جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ﴾ ''اور البتہ یہ دائمی راستے پر واقع ہے۔'' (الحجر 76:15) اور آج یہ بستی ہم سے قریب تر ہے۔ گوگل سے سرچ کر سکتے ہیں اور دیگر ذرائع سے یہ بستی دیکھی جاسکتی ہے، یعنی اب بھی یہ کچھ دور نہیں۔

اس بستی کو دیکھنا اور وہاں کے باسیوں کے کرتوت سے بچنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے امت سے خدشے کا اظہار کیا تھا۔ ارشاد نبوی ہے: «اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِي عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ» ''بے شک مجھے اپنی امت سے جو زیادہ خدشہ ہے وہ قوم لوط جیسے عملِ بد کا ہے۔'' (سنن ابن ماجه: 2077، «حسن»)

شعور والی قوم کے لیے نشانی ہے: ﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ ''اور البتہ ہم نے اس (بستی) سے شعور والی قوم کے لیے واضح نشانی چھوڑی ہے۔'' (العنکبوت 35:29)

گہری نظر رکھنے والوں کے لیے نشانی: شعور سے اوپر کا ایک مرحلہ گہرا غور وفکر کہلاتا ہے۔ اس لیے قوم لوط کی تباہی میں عقل وشعور رکھنے والی قوم کے لیے علیحدہ نشانی قرار دی گئی ہے اور گہری نظر اور غور وفکر کرنے والوں کے لیے علیحدہ طور پر نشانی کا تذکرہ آیا ہے: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ﴾ ''بے شک اس (قوم لوط کی ہلاکت) میں گہری نظر رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' (الحجر 75:15)

مومنوں کے لیے عبرت: گزشتہ آیت سے ایک آیت کے بعد اسے مومنوں کے لیے نشانی قرار دیا گیا، لہٰذا مومنوں کو اس برے کام اور دیگر خامیوں سے دور رہنا چاہیے۔

دردناک عذاب سے ڈرنے والوں کے لیے عبرت: ﴿وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ ''اور اس میں نشانی اور عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔'' (الذاریات 37:51)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل بد کی بڑی سخت سزا مقرر فرمائی ہے۔ ارشاد ہے: «مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهِ» ''تم جسے دیکھو کہ وہ لوط علیہ السلام کی قوم جیسا عمل کر رہا ہے تو فاعل اور مفعول دونوں ہی کو قتل کردو۔'' (الارواء الغلیل: 2350 «صحیح») اگر قانونی طور پر بلاد اسلامیہ میں اس حدیث پر عمل شروع ہوجائے تو کالی بھیڑوں کو یہ موقع میسر نہیں آسکے گا۔ اگرچہ اس سزا میں بھی ائمہ کا اختلاف موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قومی اور انفرادی جرائم سے محفوظ فرمائے اور عافیت نصیب فرمائے۔ آمین



الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ
ترجمہ واختصار: حافظ ابوسفیان عباس میر محمدی

انسانی تخلیق کے مراحل اور اس کے بعد سعادت یا شقاوت

سیدنا ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیان فرمایا، آپ سچے بھی ہیں اور آپ کی سچائی تسلیم بھی کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: «إِنَّ اَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَتْبِ رِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ فَوَاللّٰهِ الَّذِيْ لَاإِلٰهَ غَيْرُهُ إِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَايَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَايَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا» ''تم میں سے ہر ایک کی تخلیق کو اس کی ماں کے پیٹ میں 40 دن نطفہ کی شکل میں، پھر اتنے ہی دن جمے ہوئے خون کی شکل میں، پھر اتنے ہی دن گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رکھا جاتا ہے، پھر اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں

روح پھونکتا ہے۔ اور اسے چار باتیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: رزق، عمر، عمل اور نیک بخت یا بدبخت۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں! یقیناً تم میں کوئی اہل جنت کا سا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے، وہ دوزخیوں والے کام کرنے لگ جاتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوجاتا ہے اور تم میں سے کوئی دوزخیوں والے کام کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، اس کے بعد اس کی تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے اور وہ اہل جنت کا سا عمل کرکے جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔'' (صحيح البخاري: 3208، و صحيح مسلم: 2643)

مفردات الحدیث

«وَهُوَالصَّادِقُ الْمَصْدُوْق» یہ جملہ تاکید کے لیے ہے، کیونکہ جس نے رسول اللہ ﷺ کا اعتراف کرلیا تو ضروری ہے کہ وہ اس بات کا بھی اعتراف کرے کہ آپ صادق ومصدوق ہیں۔ «اِنَّ اَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ» سے مراد ہے بیوی سے جماع کے وقت نکلنے والے پانی کو رکھا جاتا ہے۔ اس کی کیفیت احادیث میں مذکور نہیں۔ «اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً» یعنی منی کا قطرہ۔ «ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ» نطفہ سے علقہ اچانک نہیں ہوتا، بلکہ درجہ بدرجہ ہوتا ہے۔ اور علقہ اس خون کو کہتے ہیں جو جما ہوا ہو خشک نہ ہو۔ «ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ» ''مضغۃ'' گوشت کا اتنا سا ٹکڑا جسے انسان چبا سکے۔ تو کل 120 دن بنے، یعنی چار ماہ۔ «ثُمَّ يُرْسَلُ اِلَيْهِ الْمَلَكُ» اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو جنین کی طرف بھیجتا ہے اور یہ مخصوص فرشتہ مراد نہیں۔ «فَيَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ» روح وہ ہے جس کے ذریعہ سے جسم زندہ ہوتا ہے، اور روح پھونکنے کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن فرشتہ روح پھونکتا ہے تو جسم اسے قبول کرلیتا ہے۔ نبی ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ﴿اَلرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ ''روح میرے رب کا حکم ہے۔''(بنی اسرائیل 17: 85) «وَيُؤْمَرُ بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ.....» اللہ تعالیٰ فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ چار باتیں لکھو۔ رزق: اس سے مراد جس سے انسان نفع حاصل کرے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: جس کے ذریعے بدن کو تقویت پہنچے، اور دوسرا وہ رزق جس کے ذریعے دین کو تقویت حاصل ہو۔ اور جس رزق سے دین کو تقویت ملتی ہے وہ علم اور ایمان ہے اور حدیث میں یہی دو مقصود ہیں۔ عمر: یعنی کتنی مدت یہ دنیا میں رہے گا۔ اور عمر دینے کا اختیار کسی انسان کے پاس نہیں ہے۔ عمل: یعنی قولی، فعلی اور قلبی اعمال کس طرح کے کرے گا، یہ سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے۔ نیک بخت یا بدبخت: یہ انسان کی انتہاء ہے، نیک بخت ہوا تو خوشی اور سرور نصیب ہوگا ورنہ پھر جہنم کی ہولناکیوں میں گرایا جائے گا۔ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں نیک بخت لوگوں میں سے بنادے۔ «اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ .....» یعنی انسان بسا اوقات لوگوں کے دیکھنے میں بظاہر جنتیوں والا عمل کرتا ہے، حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اور ایک آدمی لوگوں کے دیکھنے میں جہنمیوں والا عمل کرتا ہے جبکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا باطن اور تھا اسی باطنی خرابی کی وجہ سے برا انجام ہوا۔

جیسا کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ میں تھا۔ وہ دشمنوں کو قتل کرتا جارہا ہے۔ اچانک قتل ہوگیا۔ لوگوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا: واہ! اس نے تو بہت بڑی سعادت حاصل کرلی، نبی ﷺ نے فرمایا: «هُوَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ» ''یہ تو جہنمی ہے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات نے حیران کردیا کہ یہ کیسے جہنمی ہوسکتا ہے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے آپ کو تلوار سے قتل کرلیا تھا یعنی خودکشی کی تھی۔ جس کی بنا پر آپ نے فرمایا: یہ جہنمی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: 9573، و صحيح ابن حبان: 4519)

① اس حدیث میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حسن اسلوب کا تذکرہ ہے، ان کے کلمات گویا مشکوٰۃ النبوۃ سے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے متعلق بڑے عمدہ اور مہذب کلمات ذکر کیے ہیں۔

② اگر لوگوں کو بات میں تاکید کی ضرورت ہو، تو تاکید کے لیے کوئی سے بھی الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

③ تاکید، بات کے سچا ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

④ نبی کریم ﷺ نے جو انسان کی تخلیق کے مراحل بیان فرمائے ہیں اسی طرح انسان کو اپنی

ماں کے پیٹ میں رکھا جاتا ہے۔

⑤ انسان چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں باقی رہتا ہے۔

⑥ بچے کی تخلیق کا ان مراحل سے گزرنا اللہ کی حکمت سے ہے۔

⑦ انسانی زندگی کی بقا میں خون کی بڑی اہمیت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ نطفہ کے بعد علقہ کی شکل میں چلا جاتا ہے اور یہ علقہ خون کا لوتھڑا ہوتا ہے، اسی لیے جب انسان کے خون کی نس پھٹتی ہے تو وہ فوت ہوجاتا ہے۔

⑧ بچے کی تخلیق کا تیسرا مرحلہ مضغۃ (گوشت کی بوٹی کا) ہوتا ہے، اور اس کی کبھی پوری شکل بن جاتی ہے اور کبھی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ ''گوشت کی بوٹی سے، جس کی پوری شکل بنائی ہوئی ہے اور جس کی پوری شکل نہیں بنائی ہوئی۔'' (الحج 5:22)

⑨ چار ماہ پورے ہونے کے بعد روح پھونکی جاتی ہے۔

⑩ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ بڑی مہربانی فرماتا ہے، اس لحاظ سے کہ جب انسان ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اس وقت فرشتہ آتا ہے اور جب دنیا میں آتا ہے تب فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں اور جب انسان فوت ہونے لگتا ہے اس وقت بھی فرشتہ بھیجا جاتا ہے۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ عزوجل ہمارے ساتھ بہت مہربان ہے۔

⑪ جسم میں روح پھونکی جاتی ہے لیکن ہم اس کی کیفیت کو نہیں جانتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا﴾ ''اور عمران کی بیٹی مریم، جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی ایک روح پھونک دی۔'' (التحریم 12:67) لیکن ہمیں نہیں معلوم یہ کیسے ہوتا ہے؟ کیونکہ یہ امورِ غیبیہ میں سے ہے۔

⑫ روح ایک بدن ہے، کیونکہ اس کو پھونکا جاتا ہے تو یہ جسم میں داخل ہوجاتی ہے۔

⑬ فرشتے اللہ عزوجل کے بندے ہیں، انھیں حکم دیا جاتا ہے اور منع بھی کیا جاتا ہے۔

⑭ انسان کے متعلق چار چیزوں کے لکھے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم رزق کے حصول کے اسباب کو ترک کردیں۔

⑮ فرشتے لکھتے بھی ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ وہ کون سی زبان میں لکھتے ہیں عربی، عبرانی وغیرہ تو ایسا سوال کرنا بدعت ہے۔ ہم پر ضروری ہے کہ اس بات پر ایمان رکھیں کہ فرشتے لکھتے ہیں۔

⑯ انسان کو نہیں معلوم کہ اس کے بارے میں کیا لکھا گیا ہے، لہٰذا ہمیں نفع مند چیزوں کے حصول کے لیے کوشش کرنے کا حکم اور نقصان پہنچانے والی چیزوں کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

⑰ آدم کے بیٹے کی انتہاء دونوں میں سے ایک ہے: بدبختی یا خوش بختی۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيْدٌ﴾ ''ان میں سے کوئی بدبخت ہوگا اور کوئی خوش قسمت۔'' (ھود 105:11) اور فرمایا: ﴿هُوَالَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ﴾ ''وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور تم میں سے کوئی ایماندار ہے۔'' (التغابن 2:64)

انسان کو نہیں معلوم کہ اس کے بارے میں کیا لکھا گیا ہے، لہٰذا ہمیں نفع مند چیزوں کے حصول کے لیے کوشش کرنے کا حکم اور نقصان پہنچانے والی چیزوں کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے

حدیث سے متعلق بعض اہم مسائل

① حمل کو ضائع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

نطفہ کے مرحلے میں اگر ماں کی صحت کو خطرہ ہو تو پھر جائز ہے۔ لیکن اگر ایسا معاملہ نہیں تو پھر فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض اسقاط کے جواز کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ ابھی انسان نہیں بنا اور انسان کی اصلیت خون اس میں داخل نہیں ہوا۔ بعض کہتے ہیں: جائز نہیں، کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿فَجَعَلْنٰهُ فِيْ

قَرَارٍ مَّكِيْنٍ. اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ ''پھر ہم نے اسے ایک مضبوط ٹھکانے میں رکھا۔ ایک معلوم اندازے تک۔'' (المرسلٰت 77:21-22)

ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم مضبوط ٹھکانے کے بارے میں کوئی جرأت کریں اور اس سے جنین کو نکالیں۔ لہٰذا راجح یہی موقف ہے کہ یہ حرام ہے لیکن اس طرح حرام نہیں جس طرح چار ماہ پورے ہونے کے بعد کوئی حمل ضائع کرے۔

② روح پھونکے جانے کے بعد اسقاط حمل کا حکم کیا ہے؟

اس حالت میں اسقاط حرام ہے کیونکہ اب اس کا اسقاط اس کو ہلاک کرنے کا سبب بن جائے گا اور اس کو قتل کرنا جائز نہیں، وہ اب انسان ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اگر بچہ کا اسقاط نہ کیا گیا تو اس کی ماں کو موت لاحق ہوتی ہے اس کا پھر کیا حل ہے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی ایک انسان کی زندگی کے لیے دوسرے کو قتل کرنا یہ جائز نہیں، جیسے فرض کریں دو آدمی سفر پر ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی عمر کا ہے اور دوسرا 19 یا 20 سال کا ہے۔ بڑی عمر والے کو شدید بھوک لگی ہے اگر کوئی چیز نہیں کھاتا تو وہ مرجاتا ہے، تو بڑی عمر والے کے لیے کبھی بھی جائز نہیں کہ وہ چھوٹی عمر والے کو ذبح کرکے اس کو کھالے اور خود زندہ رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آج کے دور میں جدید ذرائع ہیں، مثلاً: آپریشن وغیرہ کے ذریعے بچے کو نکالا جاسکتا ہے۔ اس طرح بچہ بھی محفوظ اور اس کی والدہ بھی بچ سکتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ روح پھونکے جانے کے بعد کسی بھی حالت میں اسقاط جائز نہیں۔

③ ماں کے پیٹ میں بچہ ضائع ہونے کی صورت میں کیا احکام لاگو ہوں گے؟

① اگر بچہ تیسرے مرحلے (مضغۃ) میں بغیر پوری شکل بنے، گر جاتا ہے تو پھر عورت خون کو نفاس والا خون شمار نہیں کرے گی۔

② اور اگر عورت عدت میں تھی تو وہ اپنی عدت کو پورا کرے گی، کیونکہ اس کی عدت تب پوری ہوتی ہے جب بچہ پوری شکل والا بن جاتا۔

③ روح پھونکے جانے کے بعد جو بچہ پیٹ میں گر جائے اس کو غسل دیا جائے گا، اس کی تکفین اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین کی جائے گی۔ اس کا نام رکھا جائے گا اور اس کی طرف سے عقیقہ کیا جائے گا کیونکہ وہ اب انسان بن گیا ہے تو اس پر بڑوں والے احکام لاگو ہوں گے۔

④ کیا روح ایسا جسم ہے جس طرح ہمارا جسم ہے؟

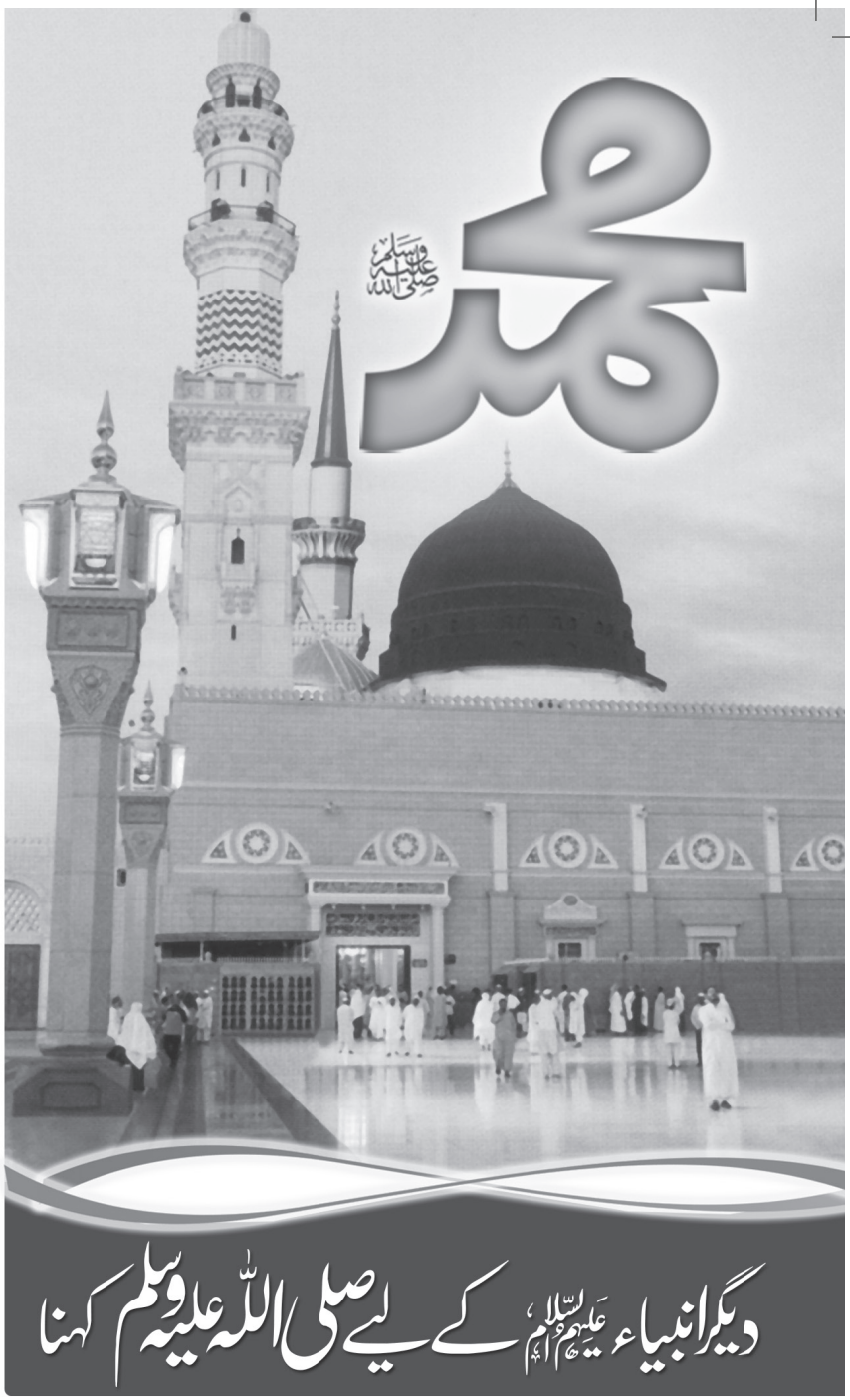
انسان کو اس کا کوئی علم نہیں، بلکہ ہم صرف اور صرف یہی کہہ سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ﴾ ''اور وہ تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دے روح میرے رب کے حکم سے ہے۔'' (بنی اسرائیل 85:17)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''متکلمین اور فلاسفہ کے پاس روح کے متعلق کوئی شرعی علم نہیں ہے۔ وہ اس کے بارے اٹکل پچو لگاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ روح خون ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ انسان کا ایک حصہ ہے جیسے ہاتھ، پاؤں جسم کے حصے ہیں۔''

اہل السنہ کہتے ہیں: روح اللہ عزوجل کے حکم سے ہے اور کتاب وسنت میں جو اس کے اوصاف مذکور ہیں ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ﴾ ''کہہ دے تمھیں موت کا فرشتہ فوت کرے گا، جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔'' (السجدہ 11:32) اور فرمایا: ﴿حَتّٰى اِذَا جَاءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ ''یہاں تک کہ جب تمھارے کسی ایک کو موت آتی ہے اسے ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں۔'' (الأنعام 61:8)

اور صحیح حدیث میں ہے کہ جب فرشتہ جسم سے روح کو قبض کرتا ہے تو اگر وہ جنت والوں سے ہو تو فرشتہ جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں لپیٹ کر آسمان کی طرف چڑھ جاتا ہے۔ (مسند أحمد: 287/4)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارا خاتمہ بالخیر ہو اور ہمارا شمار اہل جنت میں ہو۔



دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے صلی اللہ علیہ وسلم کہنا

فضل اکبر کاشمیری

ہم پر رسول اللہ ﷺ کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ ہم آپ پر کثرت سے درود پڑھیں۔ محمد ﷺ کے علاوہ بھی تمام انبیاء ورسل پر درود پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔(صحیح مسلم: 2897)

درود وسلام کے مسائل، درود کے فضائل اور درود کے الفاظ وغیرہ پر بحث کرنا اس مختصر مضمون میں ہمارا مقصود نہیں ہے۔ ان موضوعات پر اہل علم کی مستقل کتابیں موجود ہیں۔ ہم رسول اللہ کے نام کے ساتھ بالعموم ﷺ اور دیگر نبیوں اور رسولوں کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام پڑھتے ہیں، لیکن احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر انبیائے کرام کے نام کے ساتھ بھی ﷺ کہنا درست اور ثابت ہے اور اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ ان میں سے بعض احادیث پیش خدمت ہیں:

آدم علیہ السلام

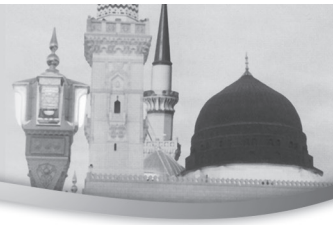
سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کو پیدا فرمایا تو ان سے کہا: جا، اور فرشتوں کی بیٹھی ہوئی جماعت کو سلام کر اور وہ جو جواب دیں اسے غور سے سن کیونکہ وہی تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا۔ چنانچہ سیدنا آدم نے جا کر کہا: السلام علیکم۔ تو انھوں نے کہا: السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ چنانچہ انھوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔(صحیح البخاري: 3326)

ابراہیم علیہ السلام

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میری ملاقات ابراہیم ﷺ سے ہوئی تو انھوں نے فرمایا: اے محمد اپنی امت کو میری طرف سے سلام پیش کیجیے اور ان کو بتلا دیجیے کہ جنت کی مٹی پاکیزہ اور عمدہ ہے، اس کا پانی میٹھا ہے اور وہ ایک چٹیل میدان ہے اور «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَر» کہنا وہاں درخت لگانا ہے۔

(رياض الصالحين: 1440)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَلَا! وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسٰى يَومَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ



ﷺ» ''سنو! قیامت والے دن سب سے پہلے جسے لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم ﷺ ہوں گے۔'' (مسند البزار: 190/2)

نوح علیہ السلام

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نبی نوح ﷺ کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا: میں تمھیں وصیت کرنے والا ہوں (وہ یہ کہ) دو باتوں کا تجھے حکم دیتا ہوں اور دو سے منع کرتا ہوں، میں تجھے لا اِلٰہ اِلا اللہ کا حکم دیتا ہوں کیونکہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اگر ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور ایک پلڑے میں لا اِلٰہ اِلا اللہ رکھ دیا جائے تو یہ ان سب پر بھاری ہوجائے گا اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک بند حلقہ بن جائیں تو لا اِلٰہ اِلا اللہ وسبحان اللہ وبحمدہ اسے توڑ دے گا اور یہی ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کے سبب ہر چیز کو رزق دیا جاتا ہے، اور میں تمھیں شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں۔

(الادب المفرد: 192/1)

موسیٰ علیہ السلام

«عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَنَّ مُوسٰى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ» ''ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موسیٰ ﷺ اللہ کے رسول تھے۔'' (مسند أحمد: 119/5)

عیسیٰ علیہ السلام

نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «.....ثُمَّ يَأْتِي عِيسٰى ﷺ.....» ''پھر عیسیٰ ﷺ ایسے لوگوں کے پاس آئیں گے.....۔'' (ریاض الصالحین: 206/2)

مجمع الزوائد کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ بھی یہ الفاظ آئے ہیں: ''کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن منبر کی طرف تشریف لائے۔ جب آپ پہلی سیڑھی پر چڑھے تو کہا: ''آمین'' پھر دوسری پر چڑھے تو کہا: ''آمین'' پھر تیسری پر چڑھے تو کہا: ''آمین'' پھر جب آپ منبر سے نیچے اترے تو ہم نے کہا: یارسول اللہ آج آپ کی خلاف معمول بات کو سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے میری بات کو سنا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: جب میں سیڑھی پر چڑھا تو جبریل ﷺ میرے سامنے آئے اور کہا: جس نے اپنے والدین یا ان دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا وہ (رحمت الٰہی سے) دور ہوا۔ آپ نے فرمایا: میں نے کہا: آمین۔ جبریل نے پھر کہا: جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہ پڑھا وہ بھی (رحمت الٰہی سے) دور ہوا۔ اس پر میں نے آمین کہی۔ پھر جبریل نے کہا: جس نے رمضان کو پایا لیکن گناہوں سے مغفرت حاصل نہ کی وہ بھی (رحمت الٰہی سے) دور ہوا۔ میں نے کہا: ''آمین'' (مجمع الزوائد: 369/3)

بقیہ: برمنگھم تو مسلمانوں کا.....

بار پھر نماز عیدالفطر کا اہتمام اسی پارک میں کیا گیا اور اس دفعہ بچوں کے لیے درجنوں جھولوں، رائیڈز اور مختلف نمائشوں کا اہتمام بھی کیا گیا۔ انتظامات کو تسلی بخش بنانے کے لیے مقامی پولیس، ایمبولینس سروس اور دیگر خدمات بروئے کار لائی گئیں۔ ساٹھ ہزار سے زائد مسلمانوں نے ایک ہی جماعت میں نماز عید ادا کی۔ گلے ملے، خوشی کا اظہار کیا اور اکثر لوگوں نے عید کا سارا دن پارک ہی میں گزارا۔ اس مثالی اجتماع کی کوریج کے لیے بی بی سی سمیت نیشنل اور انٹرنیشنل ٹی وی چینلز کے نمائندگان موجود تھے۔ چونکہ نماز عیدالفطر بروز جمعہ 17 جولائی 2015ء کو ادا کی گئی اس لیے ہفتہ اور اتوار کے روز بھی چھٹی ہونے کے باعث پارک میں لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔ میرے لیے سب سے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ ایک ہی شہر میں، ایک پارک میں اور ایک ہی اجتماع میں ساٹھ ہزار سے زائد لوگوں نے پیارے پیغمبر ﷺ کی سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے قرآن وسنت کی خالص دعوت کے حاملین اہل حدیث حضرات کے ساتھ اتحاد کا ثبوت دیا۔ اللہ کرے یہ اتفاق واتحاد برقرار رہے بلکہ اس میں اضافہ ہو تاکہ دشمنانِ اسلام "Divide and rule" والی اپنی ناپاک تدبیر میں ناکام ہوں اور اللہ کا عطا کردہ دین اسلام اور بھی تیزی سے بڑھتا جائے کیونکہ

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے



محمد شارب ابن شاکر السلفی

قربانی اور ضعیف و موضوع روایات

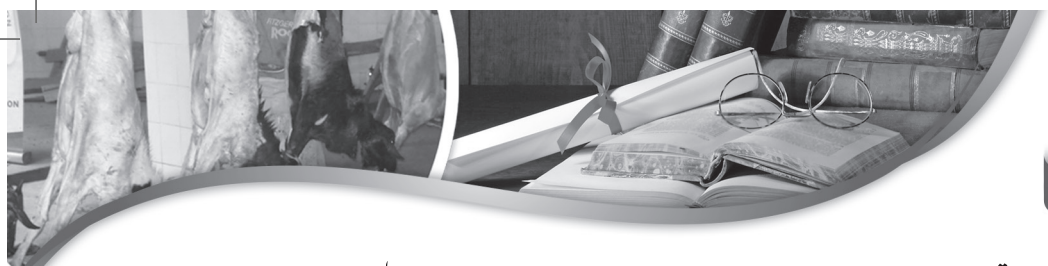
قربانی ایک عظیم عبادت ہے، کتاب وسنت میں اس کے احکام و مسائل محفوظ ہیں مگر اس کے فضائل کے تعلق سے عوام وخواص کی طرف سے اس طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں کہ آدمی سن کر حیران و پریشان ہو جاتا ہے کہ کیا واقعی قربانی کا اجروثواب اتنا ہے جتنا کہ بیان کیا جارہا ہے، واعظین ومقررین حضرات قربانی کے احکام و مسائل بیان کرنے سے زیادہ اس کے فضائل میں ہی رطب اللسان رہتے ہیں اور اہل قلم پوچھیے مت کہ رسائل وجرائد، اخبار و پمفلٹ اور کتابچوں کے ذریعہ اس کے فضائل لکھ کر خوب خوب داد تحسین حاصل کرتے ہیں اور عوام الناس کی اکثریت اس کو پڑھ کر یا سن کر اپنے اپنے جانوروں کی قربانی ہی کو راہ نجات کا ذریعہ سمجھ کر خوب اتراتی ہے، جبکہ اہل علم، محققین محدثین کے نزدیک قربانی کے فضائل کے تعلق سے بیان کی جانے والی کوئی بھی روایت صحیح نہیں، اس تعلق سے شیخ غازی عزیر حفظہ اللہ نے بڑی ہی بہترین بات لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

قربانی کی تاکید، اہمیت ومسنونیت اپنی جگہ مسلم ہے، مگر افسوس کہ اس کی فضیلت میں بیان کی جانے والی کوئی ایک حدیث بھی صحت کے درجے کو نہیں پہنچتی، جو بھی روایات اس بارے میں وارد ہیں ان میں سے کچھ تو بہت ضعیف ہیں، کچھ منکر، کچھ بے اصل، کچھ موضوع (الغرض) اس باب کی اصح یعنی بہتر سے بہتر روایت بھی ضعیف راویوں سے خالی نہیں ہے۔ (قربانی کے احکام ومسائل از مختار احمد مدنی۔ص43)

امام ابن العربی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ قربانی کی فضیلت میں کوئی بھی صحیح حدیث ثابت نہیں، لوگوں نے اس کی فضیلت میں عجیب وغریب روایتیں بیان کررکھی ہیں جو صحیح نہیں ہیں، انھیں غلط روایتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ''قربانی جنت کی سواری ہے۔''(عارضة الاحوذی فی شرح الترمذی: 288/6 بحوالہ قربانی کے احکام و مسائل:35)

قارئین کرام کے فائدے کے لیے مندرجہ ذیل میں ہم ان دلائل کو پیش کرتے ہیں جو اس قربانی کے ایام (سیزن) میں واعظین ومقررین زور وشور سے بیان کرتے ہیں حالانکہ یہ سب کے سب ضعیف وکمزور روایتیں ہیں، جن سے احتراز واجتناب اور عوام الناس کو باخبر کرنا بھی لازمی وضروری ہے، یاد رکھیں فضائل میں بھی ضعیف روایتوں سے استدلال صحیح نہیں، محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث پر نہ تو احکام میں عمل جائز ہے اور نہ ہی فضائل اعمال میں اور یہ موقف (جو کہ راجح واصح بھی ہے) رکھنے والے اہل علم میں امام یحی بن معین، امام ابن حبان، امام بخاری، امام مسلم، امام ابن حزم اندلسی، امام خطیب بغدادی، امام ابن العربی مالکی، امام ابو شامہ المقدسی، امام ابن تیمیہ الحرانی، امام شاطبی الغرناطی اور امام شوکانی رحمہم اللہ ہیں۔ (فتنۂ انکار حدیث کا ایک نیا روپ.....از غازی عزیر 274/2، اس سلسلے میں شیخ غازی عزیر حفظہ اللہ ہی کی کتاب ضعیف احادیث کی معرفت کا مطالعہ فائدے سے خالی نہیں)

① زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قربانی کیا



ہے: آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، صحابہ نے پوچھا: ہمارے لیے ان میں کیا ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔ (مسند أحمد، ابن ماجه، حاكم، بيهقي)

اس مشہور ومعروف حدیث کو امام عصر علامہ البانی رحمہ اللہ نے موضوع کہا ہے، اس حدیث کی سند میں نفیع بن حارث الاعمی الکوفی متروک (جھوٹ کی تہمت) راوی ہے اور دوسرا راوی عائذ اللہ المجاشعی منکر راوی ہے، حدیثیں وضع کیا کرتا تھا، امام ابن حبان نے فرمایا کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔ (الاحاديث الضعيفه والموضوعه للالبانی: 527/1050، و المكتبة الشامله: 104/2) صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد، ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے، اور امام حاکم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں عائذ اللہ المجاشعی ایک ایسا راوی ہے جس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ شعیب ارناؤوط نے بھی اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔ (مسند أحمد محقق: 1283)

② ایک آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے قربانی کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ واجب ہے تو انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے پھر اس نے دوبارہ آپ سے وہی سوال کیا تو آپ نے کہا: کیا تم سمجھ رہے ہو، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ علامہ البانی نے اس اثر کو ضعیف کہا ہے دیکھیے: (ضعيف الترمذی للالبانی: 260)

③ آپ ﷺ مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور (ہر سال) قربانی کرتے رہے۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ (ضعيف الترمذی للالبانی: 261) شعیب ارناؤوط نے بھی ضعیف کہا ہے: (مسند احمد محقق: 155)

④ سیدنا علی رضی اللہ عنہ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے، ایک مینڈھا اپنی طرف سے اور دوسرا نبی اکرم ﷺ کی طرف سے۔ جب ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا: مجھے نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے جسے میں کبھی نہیں چھوڑتا۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف ترمذی اور ضعیف ابو داؤد میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ اس کی سند میں ابوالحسناء راوی مجہول ہے۔ اس اثر کو علامہ منذری، نور الدین ہیثمی، علامہ محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری، شیخ الحدیث عبید اللہ مبارکپوری اور شعیب ارناؤوط رحمہم اللہ نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ (قربانی کے احکام ومسائل از مختار احمد مدنی، ص: 128)

⑤ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دس ذی الحجہ کو خون بہانے سے بڑھ کر ابن آدم اللہ کے نزدیک کوئی بہتر عمل نہیں کرتا، قربانی کا جانور بروز قیامت اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئے گا، اور خون زمین پر گرنے سے قبل ہی اللہ کے یہاں قبولیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے سو تم یہ قربانی خوش دلی کے ساتھ کیا کرو۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو ضعیف ترمذی اور ضعیف ابن ماجہ میں بھی ذکر کیا ہے۔ (الضعيفه: 526)

⑥ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگوں قربانی کرو اور اس کے خون سے ثواب کی امید رکھو کیونکہ اللہ کی حفاظت میں اس کا خون گرتا ہے۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ (الضعيفه: 530)

⑦ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو خوش دلی اور اجر کی نیت سے قربانی کرتا ہے وہ اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جاتی ہے۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ (الضعيفه: 529)

⑧ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ کے نزدیک بقرعید کے دن سب سے محبوب عمل جس میں پیسہ خرچ کیا جاتا ہے وہ قربانی ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف جدا کہا ہے۔ (الضعيفه: 524)

⑨ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن ٹوٹے ہوئے رشتوں کے جوڑنے کے سوا قربانی سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے، یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ (الضعيفه: 525)

⑩ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ تم موٹے جانوروں کی قربانی کیا کرو یہ جانور پل صراط پر تمھاری سواریاں ہوں گے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف جدا کہا ہے۔ (الضعيفه: 1255)

⑪ عمرو بن عبس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ساتواں شخص تھا، آپ ﷺ نے ہمیں ایک ایک درہم جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے سات درہموں کی قربانی خریدی، لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! قربانی



ہمارے لیے مہنگی پڑ گئی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل قربانی وہ ہے جو سب سے مہنگی اور موٹی ہو، جب اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا تو دو آدمیوں نے دونوں پیروں اور دو آدمیوں نے دونوں ہاتھوں جب کہ دو آدمیوں نے دونوں سینگوں کو پکڑا اور ساتوے آدمی نے ذبح کیا، اس پر ہم سب نے اللہ اکبر کہا۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔(الضعیفہ:1678)

⑫ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنی قربانی کو دیکھو جس کے خون کے پہلے قطرے کے ساتھ ہر گناہ کی بخشش ہو جاتی ہے، قیامت کے دن اسے گوشت اور خون سمیت ستر (70) گنا زیادہ کر کے لایا جائے گا پھر تمھارے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا۔(بیہقی) یہ موضوع حدیث ہے۔علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔(الضعیفہ: 528)

⑬ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے جس کا کان اور سینگ کٹا ہوا ہو۔ یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔(ضعیف ابوداؤد للالبانی:601)

⑭ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی قربانی بھیڑ کے ایک سال کے بچے کی ہے۔(ضعیف ترمذی للالبانی: 258)

⑮ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! بے شک ہر گھر والوں پر سال میں ایک قربانی ضروری ہے۔ (ابوداؤد: 2788، ترمذی: 1518، ابن ماجہ: 3125) یہ روایت بھی ضعیف ہے، حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ (أنوا ر الصحیفہ فی الأحادیث الضعیفہ من السنن الاربعۃ)

⑯ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں قربانی کے جانوروں کے آنکھ اور کان اچھی طرح سے دیکھنے کا حکم دیا۔ (ترمذی: 1498، نسائی:4380,4377، ابوداود: 2804، ابن ماجہ: 3142) یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفہ من السنن الاربعۃ)

⑰ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے دو موٹے موٹے بڑے بڑے چتکبرے خصی شدہ بکروں کی قربانی کی۔ (ابن ماجہ: 3122) حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ (انوا ر الصحیفہ فی الا حادیث الضعیفہ من السنن الاربعۃ)

⑱ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فاطمہ سے فرمایا: چلو اپنی قربانی دیکھو جس کے پہلے قطرہ کے ساتھ ہی تمھارے سابقہ گناہوں کی مغفرت ہوجاتی ہے، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ معاملہ ہم اہل بیت کے ساتھ خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں یہ تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔(حاکم) یہ روایت بھی ضعیف ہے، اس کی سند میں دو منکر و مدلس راوی ہیں۔(قربانی کے احکام ومسائل از مختار احمد مدنی، ص:39)

⑲ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں جو مجھ پر تو فرض ہیں لیکن تم لوگوں پر نفل ہیں: قربانی، وتر اور نماز چاشت کی دو رکعتیں۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنی تمام سندوں سے ضعیف ہے۔(فتح الباری بحوالہ فقہ الحدیث: 465/2)

خلاصۂ بحث یہ کہ راقم نے قربانی کے تعلق سے اکثر ان ضعیف و موضوع، مشہور و معروف روایتوں کو جمع کر دیا ہے جن کا بیان اس قربانی کے موسم میں زور و شور سے کیا جاتا ہے تا کہ عوام و خواص آگاہ ہو جائیں اور ضعیف و موضوع روایتوں کو ترک کر کے اپنی اپنی عبادتوں کو احادیث صحیحہ کی روشنی میں انجام دیں۔ یہاں یہ بات قابل مذکور ہے کہ اس تعلق سے بحث و تحقیق پر زیادہ اعتماد علامہ البانی رحمہ اللہ کے حکم پر کیا گیا ہے، جو الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ سے ماخوذ ہے، ساتھ ہی پاکستان کے مشہور و معروف محقق حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی تصنیف انوار الصحیفہ فی الا حادیث الضعیفہ من السنن الاربعۃ سے بھی ماخوذ ہے۔ مذکورہ بالا تمام روایتوں کے بارے میں تفصیلی بحث و تحقیق ان دونوں کتابوں کے اندر موجود ہے۔

آخر میں ناچیز اہل علم زبان و قلم کے شہسواروں سے گزارش کرتا ہے کہ وہ سنت صحیحہ کو بلا خوف لومۃ لائم کے زندہ کریں، اور اپنی تحریر و تقریر میں ضعیف و موضوع روایتوں کو بیان کرنا ترک کردیں تا کہ امت مسلمہ میں ضعیف و موضوع روایتوں پر عمل کرنے کا دروازہ بند ہو سکے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی



اللہ کے اسمائے گرامی

چند بنیادی قواعد

فضیلۃ الشیخ عبدالصمد رفیقی حفظہ اللہ

① اللہ تعالیٰ کے تمام نام «اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی» کہلاتے ہیں جس کا معنی ہے ''سب سے اچھے نام'' بہترین نام۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہیں اسمائے حُسنیٰ'' (انتہائی خوبصورت نام) (الاعراف 180:7) اس فرمانِ باری تعالیٰ کے شروع میں لفظ «لِلّٰه» اور آخر میں «اَلْحُسْنٰی» کا لفظ آیا ہے۔ یہ دونوں الفاظ ہمیں ایک خاص پیغام دے رہے ہیں: شروع میں لفظ «لِلّٰه» آنے کا مطلب یہ ہے کہ اسمائے حُسنیٰ صرف اللہ کے لیے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے کسی خاص نام کو غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے اور جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہیں ان میں سے بھی کوئی نام جس مفہوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس مفہوم کے ساتھ کسی غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

«اَلْحُسْنٰی» کا لفظ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام سب سے زیادہ حسین و جمیل، اچھے، بہترین، ہر لحاظ سے کامل اور ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک صاف ہیں۔ لہٰذا کسی مخلوق کا نام خواہ کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو اسے خالق کے نام کے برابر حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ شاید اسی لیے علمائے عقیدہ کہتے ہیں کہ اگر کسی جملے کے بغیر صرف نام لکھنا مقصود ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے نام کے برابر کسی اور کا نام نہ لکھا جائے۔



② اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرح اس کے اسمائے حُسنٰی بھی غیبی چیز ہیں۔ لہٰذا ہمارے لیے انھیں جاننے کا واحد ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی ہدایت ہے۔ جس طرح کتاب وسنت سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کے کسی نئے نام کا انکشاف کرنا اور پھر اسے واجب الایمان قرار دینا درست نہیں اسی طرح کتاب وسنت میں موجود اسمائے حُسنٰی میں اپنی طرف سے کمی بیشی یا تبدیلی کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ (ا) یہ اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے (ب) عقل انسانی اس بات کا فیصلہ کرنے سے قاصر ہے کہ کون سا لفظ اللہ تعالیٰ کا نام ہونے کے لائق ہے (ج) صحیح علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی بات کہنا حرام ہے۔ (الاعراف 33:7)

لہٰذا عیسائیوں کا اللہ تعالیٰ کو ''اَب/باپ'' قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح فلسفہ دانوں نے اللہ تعالیٰ کو «عِلّتِ فَاعِلَہ» کا نام دے دیا یہ بھی غلط ہے۔ وغیرہ۔

③ لیکن کیا اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا نام رکھا جاسکتا ہے جو عجمی زبان کا ہو مگر اس کے کسی اصل نام کی ترجمانی کرتا ہو جیسے فارسی میں ''خدا'' اور انگریزی میں ''گاڈ'' کہا جاتا ہے۔

بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ اگر کسی لفظ سے مراد اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور اس لفظ کا مفہوم بھی خودساختہ نہیں ہے بلکہ اللہ ہی کے کسی نام کی ترجمانی کرتا ہے تو پھر اسے بول کر اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو مراد لینا درست ہے۔ تاہم بعض علماء کے نزدیک ایسے ناموں سے حتی الوسع پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ: (ا) ہمیں الحمدللہ اللہ تعالیٰ کے اصل نام معلوم ہیں (ب) ہم ان ناموں کو اپنی زبان وقلم کے ذریعے بیان کرسکتے ہیں (ج) جو نام خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان نہیں کیا ہم اسے اس کے لیے بیان کیوں کریں؟ (د) ایک عربی لفظ اللہ تعالیٰ کے کسی نام کی کماحقہ ترجمانی کرلے گا اس کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی تو ایک عجمی لفظ کی بابت کس طرح ایسا سمجھ لیا جائے؟ (ہ) کیا اللہ تعالیٰ کے شرعی نام کے ساتھ اس کی عبادت کرنا اور اس کے کسی خودساختہ نام کے ساتھ عبادت کرنا برابر ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، لہٰذا کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا شرعی نام چھوڑ کر خودساختہ نام استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

④ کسی غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے کسی نام سے نکالنا جائز نہیں ہے جیسا کہ مشرکین مکہ نے کیا۔ انھوں نے اپنے بعض بتوں کے نام اللہ کے بعض ناموں سے نکالے۔ چنانچہ انھوں نے «اَلْعُزّٰی» کا لفظ «اَلْعَزِیْزُ» سے نکالا۔ اور «أَللَّات» کا لفظ، لفظِ «اللّٰہ» یا «اِلٰہ» سے نکالا۔ اسی طرح «أَلْمَنَاة» کا لفظ، لفظِ «أَلْمَنَّان» سے نکالا۔

⑤ کسی مخلوق کا ایسا نام رکھنا جائز نہیں جو «مُوْھِمِ شرك» ہو یعنی شرک کے وہم میں مبتلا کرنے والا ہو، جسے سننے والا اس مغالطے کا شکار ہوجائے کہ شاید اس مخلوق کی بعض صفات اللہ تعالیٰ کی بعض صفات سے ملتی جلتی ہیں یا اس مخلوق کے بعض کام اللہ تعالیٰ کے بعض کاموں سے ملتے جلتے ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے «اَلْوَھَّاب» یعنی بہت زیادہ، مفت اور مسلسل دینے والا'' اب آپ کسی بزرگ ہستی کو ''داتا گنج بخش'' کہنا شروع کردیں گے تو یہ غلط ہوجائے گا۔ گو یہ فارسی نام یا لقب ہے مگر اس کا معنی «الوھاب» کے معنی کے قریب قریب ہے۔ پھر جس طرح شرعی دلائل کی بنا پر ہم اللہ تعالیٰ کے «الوھاب» ہونے پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں اس طرح کسی شرعی دلیل کی رو سے کسی خاص بزرگ کے ''داتا گنج بخش'' ہونے پر ایمان بالغیب رکھنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح جہاں کسی بچے کے ''اللہ دتہ'' ہونے پر ایمان بالغیب رکھنا درست ہے وہاں اسی بچے کے ''پیراں دتہ'' ہونے پر ایمان بالغیب رکھنا درست نہیں ہے۔ اگر اللہ دتہ کی جگہ پر پیراں دتہ نام رکھنا جائز ہوتا تو جب اللہ کے فرشتے نے اللہ کے حکم سے سیدہ مریم علیہا السلام کو عیسیٰ بیٹے کی خوشخبری دی تھی تو وہ بھی اپنے بیٹے کا نام ''فرشتہ دتہ'' رکھ سکتی تھیں مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

⑥ کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کے اصل ناموں کی کل تعداد کو معلوم کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک مسنون دعا کے بعض الفاظ یوں ہیں: «أَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ أَوْ عَلَّمْتَهٗ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ أَوِاسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ.....» ''میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے ہر اس خاص نام کے ذریعے سے جو تو نے خود اپنا نام رکھا ہے یا اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو



سکھایا ہے یا تو نے اسے علم غیب میں اپنے پاس رکھنے کو ترجیح دی ہے.....۔'' (مسند أحمد: 391/1 شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے، الترغیب والترھیب: 171/2)

اور ظاہر ہے کہ جس چیز کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھا ہو کسی کو اس کی خبر نہ دی ہو اسے معلوم یا شمار کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اور یہ جو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے انھیں یاد کیا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ (صحیح البخاري: 7392) تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اتنے ناموں کو یاد رکھنے والا جنت میں داخل ہوگا۔ یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل ناموں کی تعداد ہی ننانوے ہے۔ اور ان ناموں کو یاد کرنے کا مطلب محض رٹہ لگانا نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ بندہ جہاں ان کے الفاظ کو یاد کرے وہاں ان کے صحیح مفہوم کو سمجھے، پھر اپنے ایمان وعمل کو اس مفہوم کے مطابق سنوارے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ قرآن مجید میں یا کسی مقبول حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ان ننانوے ناموں کی تعیین وتصریح بیان نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی کی جس روایت (3507) میں ننانوے ناموں کی صراحت آئی ہے وہ ضعیف ہے۔ اس لیے کئی علمائے امت نے اپنے اپنے مطالعہ کی روشنی میں کتاب وسنت سے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کو جمع کیا ہے۔ (مثلاً دیکھیں مقدمہ تفسیر سعدی اردو طبع دارالسلام نیز القواعد المثلی فی صفات اللہ واسمائہ الحسنی از فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین، ص: 15)

⑦ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ کی متعدد اقسام ہیں۔ ذاتی نام، صفاتی نام، ذاتی بھی صفاتی بھی، مفرد نام، مرکب نام، خاص نام اور عام نام، مثلاً: «اللّٰه» اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص ذاتی نام ہے۔ «الرحیم» صفاتی نام ہے جبکہ «الرحمن» بیک وقت ذاتی نام بھی ہے اور صفاتی نام بھی ہے۔ «اللّٰه» اور «الرحمن» صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بولے جاسکتے ہیں غیراللہ کے لیے نہیں بولے جاسکتے جبکہ «رَؤُوفٌ» اور «رَحِيْمٌ» اللہ تعالیٰ کے لیے بھی قرآن پاک میں آئے ہیں اور غیراللہ کے لیے بھی آئے ہیں (دیکھیں التوبۃ 117/9 و 128) اللہ تعالیٰ کے کچھ نام مُفْرَد ہیں یعنی ایک ہی کلمے پر مشتمل ہیں جیسے: «اللّٰه، الاحد، الصمد» اور اللہ تعالیٰ کے کچھ نام مرکب ہیں یعنی وہ ایک سے زیادہ کلمات پر مشتمل ہوتے ہیں جیسے: «رب العالمین، خیرالرازقین، أحکم الحاکمین، خیرالماکرین، خالق کل شیء، عالم الغیب والشھادۃ» وغیرہ وغیرہ۔

⑧ اللہ تعالیٰ کا کوئی نام بھی معنی ومفہوم سے خالی نہیں ہوتا بلکہ ہر نام اس کی کسی نہ کسی صفت کی خبر دیتا ہے۔ اسی لیے علمائے عقیدہ کہتے ہیں کہ «اَلدَّهْر» کا لفظ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں شامل نہیں ہے کیونکہ یہ محض وقت اور زمانے کا نام (اسم جامد) ہے کسی صفت کو بیان نہیں کرتا اور یہ جو قرآن مجید میں آیا ہے کہ منکرین قیامت نے کہا: ﴿مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾ ''زندگی تو صرف ہماری (یہ) دنیا والی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مارتا ہے۔'' (الجاثیۃ 24:45) یہاں وہ اللہ تعالیٰ کو مراد نہیں لے رہے لیکن یہ کہہ رہے ہیں کہ اس دنیا میں موت وحیات کا سلسلہ محض زمانے کی ایک روٹین ہے جو چلی آرہی ہے، مرنے کے بعد کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔ اور یہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے کہ ''ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے، وہ زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ زمانہ تو میں ہوں'' (تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ''الدھر'' اسمائے حُسنیٰ میں سے ایک ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ) سارا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے میں ہی دن رات کو پھیرتا ہوں۔'' (صحیح البخاري: 4826) پھیرنے والا اور پھرنے والا دونوں ایک کیسے ہوسکتے ہیں؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ خود زمانہ نہیں ہے بلکہ زمانے کا خالق ومالک ہے۔

⑨ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے ایک ہے مگر اس کے مختلف نام اور اس کی مختلف صفات بہت زیادہ ہیں، مثلاً: «اَلْحَيُّ، الْعَلِيْمُ، الْقَدِيْرُ اَلسَّمِيْعُ، الْبَصِيْرُ» یہ پانچ نام ہیں اور ان پانچوں ناموں سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہی ہے مگر یہ نام اللہ تعالیٰ کی پانچ مختلف صفاتِ کمال کی خبر بھی دیتے ہیں کہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، سب کچھ جاننے والا ہے، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، سب کچھ سننے والا ہے، اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔'' اب بتائیں کہ ہے کوئی غیبی ہستی جو عطائی طور پر ان تمام صفات سے موصوف ہو تاکہ اس سے مرادیں مانگی جائیں؟ کم ازکم کتاب وسنت میں



اللہ تعالیٰ نے ایسی کسی ہستی کی خبر نہیں دی۔

⑩ اللہ تعالیٰ کا ہر نام ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس خوبی کا مالک ہوتا ہے وہ خوبی ہر لحاظ سے کامل اور ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک ہوتی ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے «اَلْحَیُّ» (الفرقان 58:25) اس سے مراد ایسی ذات ہے جس کی زندگی ہر لحاظ سے کامل ہے۔ اس کی زندگی ایسی زندگی ہے جو عدم، پیدائش، پرورش، اونگھ، نیند، موت اور زوال سے پاک ہے۔ یہ زندگی ہر طرح کے علم اور ہر طرح کی قدرت سے مالا مال ہے نیز دیکھنے، سننے اور بولنے سے آراستہ ہے۔

⑪ کتاب وسنت میں جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے تو اس سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی بابت بیک وقت کئی باتوں کا پتہ چلتا ہے، مثلاً: (الف) اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس موجود ہے۔ (ب) یہ لفظ اس کا نام ہے۔ (ج) یہ نام ہمیں جس صفت کی خبر دیتا ہے وہ ہر لحاظ سے کامل ہے، اسی لیے (وہ صفت) اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہے۔ (د) بسا اوقات ایک چیز کو مان لینے کے بعد کئی اور باتوں کو بھی لازماً ماننا پڑتا ہے، مثلاً قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کو «الخالق» کہا ہے۔ (الحشر 24:59) اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ایسی ذات ہے جس کا نام «الخالق» ہے۔ اس میں پیدا کرنے کی صفت کمال پائی جاتی ہے اور جب اس میں پیدا کرنے کی صفت پائی جاتی ہے تو پھر لازماً وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور لازماً ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے کیونکہ علم اور قدرت ہی کے ساتھ کسی چیز کو پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے باقی نام بھی اسی انداز میں اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کی خبر دیتے ہیں۔

⑫ اللہ تعالیٰ کا ہر نام اپنی انفرادی حیثیت میں کامل ہوتا ہے لیکن جب اس کے ایک سے زیادہ نام اکٹھے استعمال ہوتے ہیں تو پھر کمال پر کمال حاصل ہوتا چلا جاتا ہے، مثلاً: «اَلْعَزِیْزُ» اور «اَلْحَکِیْمُ» اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں اور قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ایک ساتھ ذکر ہوئے ہیں۔ (البقرة 2 : 129) «العزیز» کا نام بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑی عزت والا ہے اور ہر چیز پر غالب ہے جبکہ «الحکیم» کا نام بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے بڑے ہی پرحکمت ہوتے ہیں۔ جب یہ دو نام اکٹھے مذکور ہوئے تو انھوں نے مل کر بتایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ضرور ہے مگر اس کا یہ غلبہ اس کی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کے ظلم وزیادتی کا شائبہ تک نہیں ہوتا نیز انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے سارے فیصلے واقعی بڑے پرحکمت ہوتے ہیں مگر اس کا ہر فیصلہ مکمل غلبہ و اقتدار پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے کسی فیصلے میں کسی مجبوری کا عنصر شامل نہیں ہوتا۔

⑬ قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفات کی بابت صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ کتاب و سنت میں مذکور اللہ تعالیٰ کے ہر نام کو کسی تکلف اور تردد کے بغیر مانا جائے اور اس کا اصل معنی ہی مراد لیا جائے جو عربی زبان میں اس کا بنتا ہے اور ذہن سازی کیے بغیر فوراً ذہن میں آتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کسی صفت کی کیفیت نہیں بتلائی اس لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام، جب ہمیں اس کی کسی صفت کی خبر دیتا ہے تو ہم اس کی کیفیت کے بارے میں سوال و جواب کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پوچھی ہم بھی کیفیت کو بیان نہیں کریں گے نہ ازخود نہ کسی سوال کے جواب میں۔ کیونکہ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

⑭ لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی لفظ کا اصل اور حقیقی معنی ہی مراد لینا ہمیشہ واجب ہوتا ہے یا اصل اور حقیقی معنی کو کبھی چھوڑا بھی جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ کسی لفظ کا حقیقی معنی ہی مراد لیا جائے اور اگر اسے چھوڑنا ہے تو تین شرطوں کے پورا ہونے کے بعد: (الف) حقیقی اور مجازی معنی میں ایسا تضاد ہو کہ اگر ایک معنی کو مانا جائے تو دوسرے معنی کا انکار کرنا پڑے (ب) حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہ ہو (ج) مجازی معنی مراد لینے کی کوئی شرعی دلیل موجود ہو۔

⑮ اصلیت کے لحاظ سے واجب الایمان حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے، لہٰذا اگر کتاب وسنت میں کسی لفظ سے مشابہت کا تاثر ملتا ہو تو وہاں صرف ظاہری مشابہت مراد ہوگی حقیقی مشابہت مراد نہیں ہوگی۔

⑯ ''مشابہت'' کے معاملے میں بہت سے فرقے گمراہ ہوگئے۔ کوئی «تَکْییْف» کے راستے پر چلا تو کوئی «تَمْثِیْل» میں مبتلا ہوگیا۔ «تَکْییْف»



یہ ہے کہ مثال دیے بغیر اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی کیفیت بیان کی جائے، یہ جائز نہیں ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے کیفیت بیان نہیں فرمائی تو ہمیں بھی کیفیت بیان نہیں کرنی چاہیے۔ ''تمثیل'' یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی کیفیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی کوئی مثال بھی بیان کردے، ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ خالق کی کوئی کیفیت مخلوق کی کسی کیفیت جیسی نہیں ہوسکتی۔

⑰ بعض لوگوں کا طرز عمل اس کے برعکس ہے، یعنی انھوں نے خالق کو مخلوق کی مشابہت سے ''بچانے کے لیے'' واجب الایمان حقائق سے کھیلنا شروع کردیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا نہ تو کوئی نام ہے اور نہ ہی اس کی کوئی صفت ہے جبکہ کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے نام تو ٹھیک ہیں مگر ان کا کوئی معنی و مفہوم نہیں ہے، اس عمل کو «تَعْطِيْل» کہتے ہیں یعنی نام اور اس کے مطلب (دونوں) کی چھٹی کرادی یا نام کو تو بحال رکھا مگر اس کا معنی معطل کردیا۔

⑱ کچھ لوگوں نے نام کو مانا مگر اس کے اصل معنی کو تبدیل کردیا۔ اگر معنی کی یہ تبدیلی کسی صحیح شرعی دلیل کی بنیاد پر ہو تو اسے تأویل (تفسیر) کہیں گے اور اگر کسی صحیح شرعی دلیل کے بغیر ہو تو یہ عمل «تَحْرِيْف» کہلاتا ہے۔ یعنی تحریف میں بندہ کسی لفظ کے اصل معنی کو کنارے پر لگا دیتا ہے اور اس کی جگہ پر ایسا معنی مراد لینا شروع کردیتا ہے جو شرعاً مراد نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی شخص تحریف کرے مگر اسے تأویل حق کا نام دے تو یہ زیادتی اور علمی بددیانتی ہے کیونکہ تحریف ہمیشہ تحریف ہی ہوتی ہے اسے تأویل باطل کا نام تو دیا جاسکتا ہے مگر وہ تاویل حق کا روپ نہیں دھار سکتی۔

⑲ کچھ لوگوں نے اصل معنی کو بھی معطل کردیا اور اس کی جگہ پر کوئی اور معنی مراد لینے سے بھی گریز کیا، حالانکہ اس لفظ کا اصل معنی عربی زبان میں بڑا واضح تھا پھر بھی انھوں نے اپنے آپ کو لاعلم، انجان اور جاہل لوگوں کی صف میں لاکھڑا کردیا اور صاف کہہ دیا کہ یہ لفظ تو برحق ہے مگر ہم نہیں جانتے کہ اس کا معنی کیا ہے۔ اس کا معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، لہٰذا ہم اس کا مفہوم و مطلب اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ یہ ''تفویض'' ہے۔ یہ رویہ بھی بے حد خطرناک ہے کیونکہ:

(الف) قرآن پاک جملہ امور ہدایت کو کھول کر بیان کرتا ہے اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسماء اور بہت سی صفات بیان ہوئی ہیں۔ اگر ان کا کوئی معنی ہی نہیں ہے تو پھر آپ نے گویا قرآن پاک کے وصفِ بیان کو جھٹلا دیا، یعنی اللہ تو فرمائے: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ''اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو کہ (ہدایت سے متعلق) ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے۔'' (النحل 89:16) اور آپ کہیں کہ نہیں نہیں بہت سی آیات کا تو مطلب ہی نہیں بنتا تو گویا آپ نے قرآن پاک کو جھٹلا دیا۔ اس موقع پر اگر کوئی شخص کہے کہ قرآن پاک میں متشابہ آیات موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات والی تمام آیات بھی متشابہ ہیں، لہٰذا اپنے بیان میں واضح نہ ہوئیں تو عرض یہ ہے کہ آپ ان آیات بیّنات کو زبردستی متشابہ آیات میں شمار کررہے ہیں۔ سلف صالحین میں سے کبھی کسی نے انھیں متشابہ قرار دے کر ان کے مفہوم کو نظرانداز نہیں کیا۔

(ب) اللہ تعالیٰ کے بعد اس کے محبوب پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی اور اس کی صفات کمال کو خوب بیان کیا ہے تو کیا وہ قرآن مجید کی آیات بینات اور اپنی ہی بیان کردہ حدیثوں کا مفہوم نہیں جانتے تھے؟ واہ رے عشق!

(ج) پھر اسی تفویض کے رویے نے زندیقوں کا کام آسان کردیا۔ انھوں نے بھپتی کسی کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کو نہیں جانتے تو ہمارے پاس آجاؤ ہم تمھیں ''اصل مفہوم'' سمجھا کر واپس بھیجیں گے۔ اور معلوم ہے کہ زندیق لوگوں کا ''اصل مفہوم'' کس قدر گمراہ کن ہوگا اس کا بس تصور ہی کیا جاسکتا ہے خصوصاً جبکہ زندقہ کہتے ہی اس بات کو ہیں کہ کفر کو اسلام کا نام اور لیبل لگا کر پیش کرو۔ والعیاذ باللہ۔

(اس مضمون کی تیاری کے لیے علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی کتب القواعد المثلٰی فی صفات اللّٰہ واسمائہ الحسنٰی ص6 تا ص 17 نیز شرح العقیدۃ الواسطیۃ: 1/86-94 سے مدد لی گئی ہے۔ یہ مضمون نہ ترجمہ ہے نہ تلخیص، البتہ بعض قیمتی جواہرات کو اخذ کرکے انھیں زیادہ سے زیادہ عام فہم انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اہل علم کے لیے مذکورہ کتابوں میں بہرصورت بہت کچھ ہے۔)



سوال کیا بارش کے موقع پر مقیم لوگ مسجد میں دو نمازیں جمع کر سکتے ہیں؟ یعنی ظہر کے وقت میں عصر کی اور اسی طرح مغرب وعشاء بھی جمع ہوسکتی ہیں؟ اس لیے کہ کچھ لوگ اسے جائز نہیں سمجھتے۔ اور بعض کے نزدیک بارش والے الفاظ ہی درست نہیں، نیز ان کا کہنا ہے کہ جمع صوری جائز ہے، جمع حقیقی نہیں، کیا ازروئے دلیل یہ موقف درست ہے؟ دلائل کے ساتھ وضاحت فرمادیں۔ (سائلین، لاہور)

بحالت اقامت جمع بین الصلاتین کی مشروعیت

جواب بارش کی بنا پر حالت اقامت میں دو نمازوں کو ایک دوسری کے وقت میں جمع کرنا شرعاً جائز ہے، اسے جمع حقیقی کہتے ہیں، اس کی دلیل سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «جَمَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ، فِي غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ» ''رسول اللہ ﷺ نے ظہر وعصر اور مغرب وعشا مدینہ میں کسی خوف اور بارش کے بغیر جمع کیں۔'' (صحیح مسلم: 705) ایک روایت کے الفاظ «فِي غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا سَفَرٍ» ہیں، یعنی کسی خوف اور سفر کے بغیر۔ یہ حدیث سنن أبي داود (حدیث: 1210)، ابن حبان (471/4) اور سنن بیہقی (166/3) نے بھی روایت کی ہے۔ مزید ملاحظہ ہو: (ارواء الغلیل للألبانی 579)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے بحالت اقامت مدینہ میں کسی خوف، سفر اور بارش کے بغیر مذکورہ نمازوں کو جمع کیا ہے۔ اس حدیث میں جمع بین الصلاتین کا سبب وارد نہیں، مذکورہ حدیث میں ہے کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال ہوا کہ آپ علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ «أَرَادَ أَنْ لَّا يُحْرِجَ أَحَدًا مِنْ أُمَّتِهِ» یا «أَنْ لَا يُحْرِجَ أُمَّتَهُ» یعنی مقصد یہ تھا کہ آپ علیہ السلام اپنی امت کے کسی فرد کو یا اپنی امت کو مشقت میں مبتلا نہ کریں۔

وجہ استدلال

حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ اس کے تحت لکھتے ہیں: اس سے دو باتیں معلوم ہوئی ہیں: اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے بغیر خوف، بغیر بارش اور بغیر سفر کے نمازیں جمع کیں۔ دوسری یہ کہ خوف، بارش، سفر یہ تینوں عذر شرع میں معتبر ہیں، کیونکہ اگر معتبر نہ ہوتے تو ان کی نفی کا کچھ معنی نہیں۔ (فتاوی اهلحدیث:421/1)

چند اشکالات اور ان کے جواب

① **پہلا اشکال:** امام ابن خزیمہ نے اس روایت کو جس میں بارش کی نفی ہے سہو اور غلط قرار دیا ہے، اور امام بیہقی نے اس کو شاذ کہا ہے، ملاحظہ ہو: صحیح ابن خزیمہ (86/2) اور سنن بیہقی (167/3)

صاحب القول المقبول شیخ ابوعبدالسلام لکھتے ہیں: مگر یہ روایت نہ تو سہو اور غلط ہے اور نہ ہی شاذ ہے، بلکہ یہ روایت صحیح اور ثابت ہے۔ (تفصیل کے لیے صلاۃ الرسول کی تحقیق ملاحظہ فرمایے: ص 643-646)

② **دوسرا اشکال:** مذکورہ حدیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس میں جو جمع ذکر ہوئی ہے وہ جمع حقیقی نہیں بلکہ جمع صوری تھی۔ علامہ صنعانی نے سبل السلام (452/2) اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار (215/3-218) میں اسی رائے کی تائید کی ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے فتح الباری (24/2) میں اس جواب کو اولیٰ (زیادہ بہتر) کہا ہے۔

جواب: مگر اس رائے یا خیال کی کسی ٹھوس دلیل سے تائید نہیں ہوتی، اس لیے امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ تاویل ضعیف یا باطل ہے کیونکہ یہ ظاہر (الفاظ) کے خلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا خطبہ دیتے وقت عمل (جس کا عنقریب بعد میں ذکر آئے گا) اور پھر اس عمل کی تصویب پر ان کا اس حدیث سے استدلال کرنا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ان کی تصدیق کرنا اور انکار نہ کرنا یہ اس تاویل کے رد پر صریح دلیل ہے۔

(ثانیاً) ان لوگوں کی اس تاویل کا رد اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس حدیث کے مالک کے طریق کے علاوہ باقی تقریباً تمام طرق میں ہے کہ ابن عباس سے اس جمع کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: «أَرَادَ أَنْ لَّا يُحْرِجَ أُمَّتَهُ» ''رسول اللہ ﷺ نے ایسا اس لیے کیا کہ آپ کی امت کو مشقت نہ ہو۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشقت کی نفی کا ارادہ اس حدیث کو جمع صوری پر محمول کرنے سے مانع ہے، کیونکہ یہ جمع مشقت سے خالی نہیں۔

③ **تیسرا اشکال اور دلیل:** اس حدیث کو جمع صوری پر محمول کرنے والوں نے حدیث ابن عباس کی ایک روایت سے بھی دلیل لی ہے۔ یہ روایت نسائی (286/1، حدیث: 590) میں ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور مغرب کی نماز کو لیٹ کیا اور عصر و عشاء کی نماز میں تعجیل کی۔ «أَخَّرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ، وَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ»

جواب: مگر اس حدیث میں یہ جملہ مدرج ہے (یعنی راوی کا اپنا کلام شامل ہوگیا ہے، حدیث کا حصہ نہیں)، کیونکہ بخاری (1174)، مسلم (309/3، حدیث: 705)، ابن أبی شیبہ (209/2) اور بیہقی (168/3) میں ہے کہ عمرو بن دینار نے ابوشعثاء جابر بن زید سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور مغرب کی نماز میں تاخیر کی اور عصر و عشاء کی نماز میں تعجیل کی تو جابر بن زید نے کہا کہ میرا خیال بھی یہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ عمرو بن دینار کا قول تھا جسے کسی راوی نے متن حدیث میں ذکر کر دیا۔

ابن عباس سے اس حدیث کو روایت کرنے والے جابر بن زید ہیں اور جابر سے اس کو عمرو بن دینار نے روایت کیا ہے، مذکورہ جملہ اگر جابر بن زید نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا ہوتا تو وہ عمرو بن دینار کو یہ نہ کہتے کہ میرا خیال بھی یہی ہے بلکہ یہ کہتے کہ مجھے ابن عباس نے یوں ہی بیان کیا ہے۔ مصنف عبدالرزاق (555/2) اور صحیح ابوعوانہ (354/2) میں عمرو بن دینار والی بات ابن جریج نے بھی کہی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مذکورہ جملہ متن حدیث سے نہیں ہے، بلکہ اس میں مدرج ہے۔

محدث العصر شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق میں بھی سنن نسائی کی مذکورہ روایت مدرج ہے۔ (ملاحظہ ہو سلسلہ صحیحہ، حدیث: 2795)

شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے بھی اسے راوی کا مدرج کلام قرار دیا ہے۔

(سنن النسائي، مترجم: 629/1، طبع دارالسلام)

حدیث ظاہری معنی پر محمول کی جائے

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث ابن عباس کو اس کے ظاہری معنی پر ہی محمول کیا جائے گا، چنانچہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو اس کے ظاہری معنی پر ہی محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ بوقت ضرورت حضر

میں بھی نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لینا جائز ہے، بشرطیکہ اسے عادت نہ بنایا جائے۔ ان محدثین میں امام تابعین ابن سیرین اور ابن منذر بھی ہیں، دیکھیں: اوسط ابن منذر (2/422-434) امام نووی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کے اس قول «أَرَادَ أَنْ لَّا يُحْرِجَ أُمَّتَهُ» سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ شرح مسلم (5/219)۔

شیخ احمد شاکر نے بھی اس مذہب کی تائید کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: اس حدیث پر عمل کرنے سے بہت سے ان لوگوں سے مشقت رفع ہوجاتی ہے جن کے کام و کاج اور سخت قسم کے حالات کبھی نمازیں جمع کرنے پر مجبور کردیتے ہیں، مگر شرط یہ ہے جیسا کہ ابن سیرین نے کہا ہے کہ عادت نہ بنائی جائے۔ (تحقیق ترمذی 1/358-359)

مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ حدیث کو جمع حقیقی ہی پر محمول کیا ہے اور جمع صوری کو علتِ رفعِ حرج کے منافی قرار دیا ہے۔

(تعلیقات سلفیہ 1/414 طبع جدید)

راویِ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عمل

مزید صاحب القول المقبول لکھتے ہیں: راویِ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اس حدیث کے مطابق تھا، چنانچہ مسلم (5/217-218، حدیث: 57/705) ابوعوانہ (2/354-355) طیالسی (1/127) اور بیہقی (3/168) نے عبداللہ بن شقیق سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس نے بصرہ میں عصر کے بعد ہمیں خطبہ دینا شروع کیا، یہاں تک سورج غروب ہوگیا اور ستارے چمکنے لگے، کسی شخص نے کہا کہ نماز کا وقت ہوچکا ہے، آپ نے فرمایا کہ مجھے سنت نہ سکھلاؤ۔ اس کے بعد فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ اس بارے میں میرے دل میں کچھ شبہ سا پیدا ہوا، چنانچہ میں ابوہریرہ کے پاس آیا اور ان سے دریافت کیا تو انھوں نے ان کی روایت کی تصدیق کی۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دونمازوں کو ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ («كُنَّا نَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ» حدیث: 58/705)

نسائی (1/286) اور طیالسی (1/126) نے جابر بن زید سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے بصرہ میں (ایک مرتبہ) ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا، انھوں نے ایسا کسی کام کی وجہ سے کیا اور بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ میں ظہر اور عصر کو ملا کر پڑھا۔ اس روایت کی سند حسن درجے کی ہے۔ (ماخوذ از تحقیق صلاۃ الرسول بتصرف، ص: 647-648)

امام شافعی، احمد اور امام اسحاق کا موقف

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: يَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي الْمَطَرِ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ.....» ''بعض اہل علم کہتے ہیں کہ بارش میں دونمازیں جمع ہوسکتی ہیں، یہی موقف امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔'' (سنن الترمذي، تحت حديث: 188)

ضرورت کے تحت جمع بین الصلاتین کی مشروعیت

ضرورت کے تحت جمع بین الصلاتین شرعاً جائز ہے، اس کی دلیل وہی ابن عباس والی صحیح مسلم کی حدیث ہے، جس میں ہے: «أَرَادَ أَنْ لَّا يُحْرِجَ أُمَّتَهُ» کہ آپ کی امت مشقت کا شکار نہ ہو، اسی لیے آپ علیہ السلام نے دو دونمازوں کو مدینہ میں جمع فرمایا، یعنی علتِ رفعِ حرج اس کی دلیل ہے جیسا کہ امام ابن سیرین کا موقف ہے، اور اصحاب مالک میں سے امام اشہب کا اور محدثین کی ایک جماعت کا بھی یہی موقف ہے، ابن المنذر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی اسی موقف کے حامل ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ 24/25، شرح نووی 2/3509، معالم السنن 2/55)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر کاری گر اور کسانوں کو کسی خاص وقت میں مشقت کا سامنا ہو، مثلاً: نماز پڑھنی ہے لیکن پانی بہت دور ہو، اگر وضو کے لیے جائیں اور وہاں جا کر وضو کریں تو وہ کام جس کی انھیں حاجت اور ضرورت ہے وہ دھرے کا دھرا رہ جائے تو ان کے لیے جائز ہے کہ وہ مشترک وقت میں دونمازوں کو جمع کرلیں۔ (مجموع الفتاویٰ: 21/458)

اسی طرح آں رحمہ اللہ سخت کیچڑ اور شدید آندھی کے موقع پر بھی تاریک رات میں یا اس قسم کے مواقع پر جمع بین الصلاتین کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ: 24/30) وباللہ التوفیق۔





الشیخ مولانا مفتی عبدالولی خان

شادی کے اخراجات کے لیے زکاۃ دینا

سوال کیا کسی مستحقِ زکاۃ لڑکے یا لڑکی کو زکاۃ دینا جائز ہے جو اسے اپنی شادی کے اخراجات میں خرچ کرے؟

جواب واضح رہے کہ عورت پر شادی کی تیاری کے امور، گھر، نفقہ اور دیگر اخراجات کی ذمہ داری عائد نہیں ہے۔ بلکہ ان امور کی ذمہ داری خاوند یا اس عورت کے اولیاء، (والدین اور بھائیوں) پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن اگر صورتِ حال ایسی ہو کہ اولیاء اپنے ذمہ داری کی ادائیگی سے امتناع کر رہے ہوں۔ یا وہ بھی ان اخراجات کو برداشت نہ کر سکتے ہوں۔ اور اس معاشرے کا عرف بھی یہ ہو کہ گھر کے بعض چیزوں میں عورت کی مشارکت بھی لازم ہوتی ہے۔ جیسا کہ برصغیر کے معاشروں کا حال ہے اور عورت خود فقیر اور مسکین ہو تو ایسی صورت میں ایسی لڑکی کو زکاۃ دینا جائز ہے کہ وہ اس کے ذریعے شادی کے بعض بنیادی اخراجات پوری کرے۔ اس لیے کہ شادی بھی قابل اعتبار حاجات میں سے ہے بلکہ بعض اوقات اس کی اتنی ہی ضرورت ہوتی ہے جتنی کھانے پینے اور رہائش کی ہوتی ہے۔ ایسی عورت کے ساتھ مدد کرنا معاشرے کو پاک اور طاہر رکھنے میں مدد ہے، یعنی اس میں دوہرا اجر ہے اجرِ زکاۃ اور اجرِ تطہیر معاشرہ۔

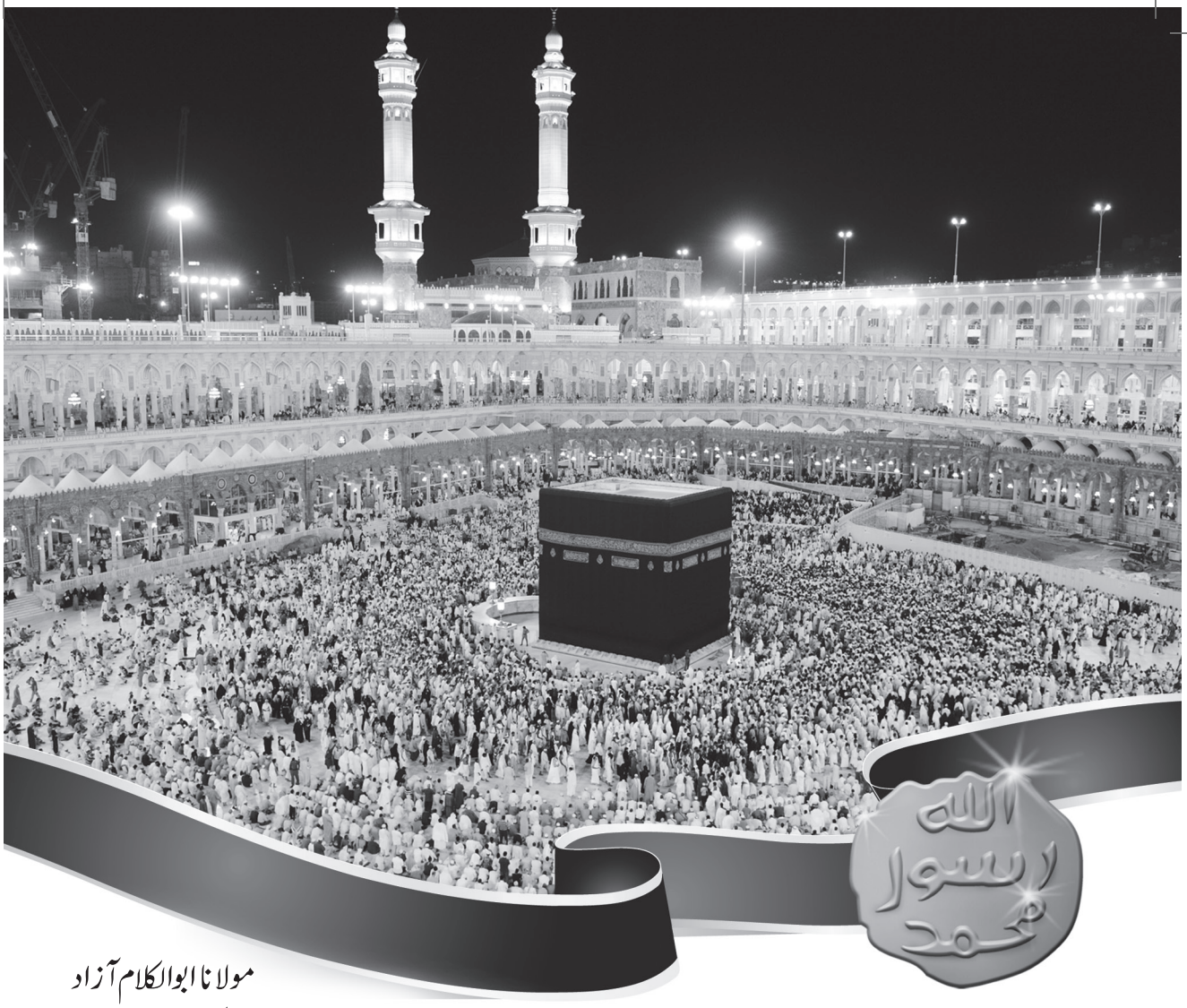
شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ سے سوال ہوا:

ایک شخص ہے جو کھانے پینے اور رہائش کے حصول کے لیے کمائی کرنے پر تو قادر ہے لیکن اس کے پاس مال نہیں جس کے ذریعے وہ شادی کرے جبکہ وہ شادی کا بھی ضرورت مند ہے تو کیا ایسے شخص کی ہم زکاۃ سے شادی کرا سکتے ہیں؟

انھوں نے جواب میں فرمایا: جی ہاں، جائز ہے کہ ہم زکاۃ سے اس کی شادی کرائیں اور اسے کامل مہر دے دیں۔'' (فتاوی ارکان الإسلام، ص:441,440)

اس بنا پر کوئی حرج نہیں کہ ہم زکاۃ کے مال سے ایسی عورتوں کی مدد کرے تاکہ وہ شادی کرنے پر قادر ہو جائیں۔ اگر کسی کو یہ اندیشہ لاحق ہو کہ یہ عورت ایسی چیزوں میں یہ پیسہ لگا دے گی جو اس کے لیے ضروری نہیں۔ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اسے بتائیں کہ میرے پاس آپ کے لیے اتنے پیسے ہیں، تو آپ کیا خریدنا چاہتی ہیں کہ ہم اس کے ذریعے آپ کے لیے خرید لیں، پھر آپ اس کی ضرورت کے مطابق چیزیں خرید کر دے دیں۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے ایسے ہی نوجوان کے بارے میں پوچھا گیا، تو انھوں نے جواب میں فرمایا: «يجوز دفع الزكاة لهذا الشباب مساعدة في الزواج إذا كان عاجزا عن مؤونته» ''ایسے نوجوان کو شادی میں مدد کے لیے زکاۃ دینا جائز ہے، جب وہ شادی کے اخراجات سے عاجز ہو، یعنی انھوں نے بھی جواز کا فتویٰ عطا فرمایا ہے۔ (فتاوی الشیخ ابن باز: 275/14) اور (فتاوی اللجنة الدائمة: 17/1)



تاریخ فرضیت حج

مولانا ابوالکلام آزاد
پیشکش: جمشید انور

قسط: ②

فتح مکہ

اس طرح جب اس ''امت مسلمہ'' کا روحانی خاکہ تیار ہوگیا تو اس نے اپنی طرح ان کو بھی منظرعام پر نمایاں کرنا چاہا۔ اس غرض سے اس نے عمرہ کی تیاری کی اور 14-15 سو کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوا کہ پہلی بار اپنے آبائی گھر کو حسرت آلود نگاہوں سے دیکھ کر چلے آئیں۔ لیکن یہ کاروانِ ہدایت راستے ہی میں بہ مقام حدیبیہ روک دیا گیا۔ دوسرے سال حسب شرائط صلح زیارتِ کعبہ کی اجازت ملی اور آپ مکہ میں قیام کرکے چلے آئے۔ اب اس مصالحت نے راستے کے تمام نشیب وفراز ہموار کردیے تھے۔ صرف خانہ کعبہ میں پتھروں کا ایک ڈھیر رہ گیا تھا۔ اسے بھی فتح مکہ نے ہموار کردیا۔

«دَخَلَ النَّبِیُّ ﷺ مَکَّةَ یَوْمَ الْفَتْحِ وَحَولَ الْبَیتِ سِتُّونَ وَثَلٰثُ مِائَةِ نُصُبٍ فَجَعَلَ یَطْعُنُهَا بِعُودٍ فِی یَدِهِ وَیَقُولُ: جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ» ''نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس کے گرد تین سو ساٹھ بت نظر آئے۔ آپ ان کو ایک لکڑی کے ذریعے ٹھکراتے جاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے: یعنی حق اپنے مرکز



پر آ گیا اور باطل نے اس کے سامنے ٹھوکر کھائی۔ باطل پامال ہونے ہی کے قابل تھا۔‘‘ (صحيح البخاري: 4287)

فرضیت حج

اب میدان بالکل صاف تھا۔ راستے میں ایک کنکری بھی سنگِ راہ نہیں ہوسکتی تھی۔ باپ نے گھر کو جس حال میں چھوڑا تھا بیٹے نے اسی حالت میں اس پر قبضہ کرلیا۔ تمام عرب نے فتح مکہ کو اسلام و کفر کا معیار صداقت قرار دیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو لوگ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ دنیا کو اس جدید النشئۃ ’’امت مسلمہ‘‘ کے قالب روحانی کا منظر عام طور پر دکھا دیا جاتا۔ اس لیے دوبارہ اسی دعوت عامہ کا اعادہ کیا گیا۔ جس کے ذریعہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تمام عالم میں ایک غلغلۂ عام ڈال دیا تھا۔ مگر اس قوت کا فعل میں آنا ظہور نبی امی پر موقوف تھا۔ ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ ’’جو لوگ مالی اور جسمانی حالت کے لحاظ سے حج کی استطاعت رکھتے ہیں ان پر اب حج فرض کردیا گیا۔‘‘ (آل عمران 3:97)

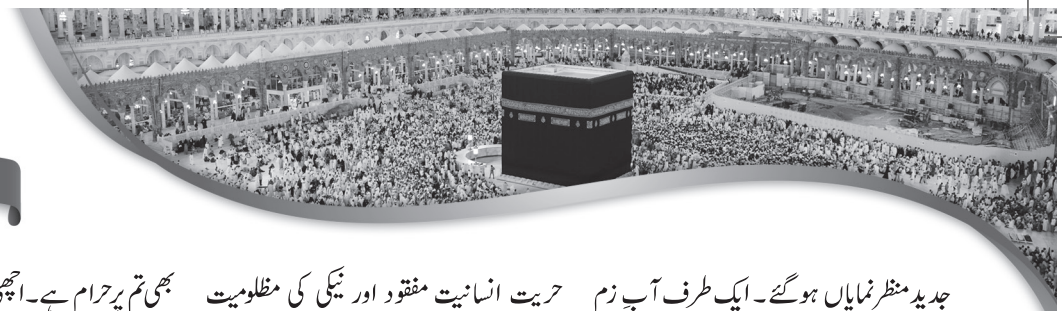
تکمیل حج

اس صدا پر تمام عرب نے لبیک کہا۔ اور آپ کے گرد 13-14 ہزار آدمی جمع ہوگئے۔ عرب نے ارکانِ حج میں بدعات و اختراعات کا جو زنگ لگا دیا تھا وہ ایک ایک کر کے چھڑا دیا گیا۔ آباء و اجداد کے کارناموں کے بجائے اللہ کی توحید کا غلغلہ بلند کیا گیا۔ ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾ ’’زمانۂ حج میں اللہ کو اسی جوش خروش سے یاد کرو جس طرح اپنے آباء و اجداد کے کارناموں کا اعادہ کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ۔‘‘ (البقرة 2:200) قریش کے تمام امتیازات مٹا دیے گئے اور تمام عرب کے ساتھ ان کو بھی عرفہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کردیا گیا۔ ﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ’’اور جس جگہ سے تمام لوگ روانہ ہوں تم بھی وہیں سے روانہ ہوا کرو۔ اور فخر و غرور کی جگہ اللہ سے مغفرت مانگو۔ کیونکہ اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘ (البقرة 2:199) سب سے بدترین رسم برہنہ طواف کرنے کی تھی اور مردوں سے زیادہ حیاسوز نظارہ برہنہ عورتوں کے طواف کا ہوتا تھا۔ لیکن ایک سال پہلے ہی سے اس کی عام ممانعت کرادی گئی۔ «اَنَّ اَبَا هُرَيرَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَابَكْرٍ الصِّدِّيقَ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي اَمَّرَهُ عَلَيهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَومَ النَّحْرِ فِي رَهْطٍ يُؤَذِّنُ فِي النَّاسِ اَلَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيتِ عُرْيَانٌ» ’’سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے پہلے نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک حج کا امیر بنایا۔ اور انھوں نے مجھ کو ایک گروہ کے ساتھ روانہ کیا تاکہ یہ اعلان کردیا جائے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک یا کوئی برہنہ شخص حج یا طواف نہ کرسکے گا۔‘‘ (صحيح البخاري: 1622)

زمانہ حج میں عمرہ کرنے والوں کو فاسق و فاجر کہا جاتا تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرہ ہی کا احرام باندھا اور صحابہ کو بھی عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ پا پیادہ اور خاموش حج کرنے کی ممانعت کی گئی۔ قربانی کے جانوروں پر سوار ہونے کا حکم دیا گیا۔ ناک میں رسی ڈال کر طواف کرنے سے روکا گیا۔ گھر میں دروازے سے داخل ہونے کا حکم ہوا۔ ﴿لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ’’یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ گھروں میں پچھواڑے سے آؤ۔ نیکی تو صرف اس کی ہے جس نے پرہیزگاری اختیار کی۔ پس گھروں میں دروازے ہی کی راہ سے آؤ اور اللہ سے ڈرو۔ یقین ہے کہ تم کامیاب ہوگے۔‘‘ (البقرة 2:189)

قربانی کی حقیقت واضح کی گئی اور بتایا گیا کہ وہ ایثار نفس وفدویت جان و روح کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔ اس کا گوشت یا خون اللہ تک نہیں پہنچتا کہ اس کے چھاپہ سے دیواروں کو رنگین کیا جائے۔ اللہ تو صرف خالص نیتوں اور پاک و صاف دلوں کو دیکھتا ہے۔ ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ ’’اللہ تک قربانی کے جانوروں کا گوشت و خون نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس تک صرف تمھاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔‘‘ (الحج 22:37)

یہ چھلکے اتر گئے تو خالص مغز ہی مغز باقی رہ گیا۔ اب وادی مکہ میں خلوص کے دو قدیم و



جدید منظر نمایاں ہوگئے۔ ایک طرف آبِ زم زم کی شفاف سطح لہریں لے رہی تھی۔ دوسری طرف ایک جدید النشأۃ قوم کا دریائے وحدت موجیں مار رہا تھا۔

اعلانِ عام و حجۃ الوداع

لیکن دنیا اب تک اس اجتماع عظیم کی حقیقت سے بے خبر تھی۔ اسلام کی 23 سالہ زندگی کا مدوجزر تمام عرب دیکھ چکا تھا۔ مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ اسلام کی تاریخی زندگی کن نتائج پر مشتمل تھی۔ اور مسلمانوں کی جدوجہد، فدویت، ایثار نفس و روح کا مقصد اعظم کیا تھا۔ اب اس کی توضیح کا وقت آ گیا تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس گھر کا سنگ بنیاد اس دعا کو پڑھ کر رکھا تھا: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب! اس شہر کو امن کا شہر بنا۔ اور اس کے باشندے اگر اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائیں تو ان کو ہر قسم کے ثمرات و نعائم عطا فرما۔'' (البقرۃ 126:2)

جس وقت انھوں نے یہ دعا کی تھی۔ تمام دنیا فتنہ وفساد کا گہوارہ بن رہی تھی۔ دنیا کا امن و امان اٹھ گیا تھا۔ اطمینان و سکون کی نیند آنکھوں سے اڑ گئی تھی۔ دنیا کی عزت و آبرو معرضِ خطر میں تھی۔ جان و مال کا تحفظ ناممکن ہوگیا تھا۔ کمزور اور ضعیف لوگوں کے حقوق پامال کردیے گئے تھے۔ عدالت کا گھر ویران، حریت انسانیت مفقود اور نیکی کی مظلومیت انتہائی حد تک پہنچ چکی تھی۔ کرۂ ارضی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو ظلم و کفر کی تاریکی سے ظلمت کدہ نہ ہو، اس لیے انھوں نے آباد دنیا کے ناپاک حصوں سے کنارہ کش ہوکر ایک ''وادی غیر ذی زرع'' میں سکونت اختیار کی۔ وہاں ایک دارالامن بنایا۔ اور تمام دنیا کو صلح و سلام کی دعوت عام دی۔ اب ان کی صالح اولاد سے یہ دارالامن بھی چھین لیا گیا تھا۔ اس لیے اس کی واپسی کے لیے پورے دس سال تک اس کے فرزند نے بھی باپ کی طرح میدان میں ڈیرہ ڈالا۔ فتح مکہ نے جب اس کا مامن و ملجا واپس دلایا تو وہ اس میں داخل ہوا کہ باپ کی طرح تمام دنیا کو ''گم شدہ حق کی واپسی'' کی بشارت دے۔ چنانچہ وہ اونٹ پر سوار ہوکر نکلا اور تمام دنیا کو مژدۂ امن و عدالت سنایا۔

خطبہ حجۃ الوداع

«اِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ عَلَيكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَومِكُمْ هٰذَا فِى شَهْرِكُمْ هَذَا فِى بَلَدِكُمْ هَذَا. اَلَا كُلُّ شَىءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَىَّ مَوضُوعٌ وَ اِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ وَرِبَاالْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ.....اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ» ''جس طرح تم آج کے دن کی، اس مہینہ کی، اس شہر مقدس میں حرمت کرتے ہو اسی طرح تمھارا خون اور تمھارا مال بھی تم پر حرام ہے۔ اچھی طرح سن لو کہ جاہلیت کی تمام بری رسموں کو آج میں اپنے دونوں قدموں سے کچل ڈالتا ہوں۔ بالخصوص زمانہ جاہلیت کے انتقام اور خون بہا لینے کی رسم تو بالکل مٹادی جاتی ہے۔ میں سب سے پہلے اپنے بھائی ابن ربیعہ کے خون کے انتقام سے دست بردار ہوتا ہوں۔ جاہلیت کی سودخواری کا طریقہ بھی مٹادیا جاتا ہے۔ اور سب سے پہلے خود میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے سود کو چھوڑتا ہوں۔ اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا کہ میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں تک پہنچادیا۔'' (صحیح مسلم: 1218)

تکمیل دین الٰہی

اب حق پھر کے پھر اپنے اصلی مرکز پر آ گیا۔ اور باپ نے دنیا کی ہدایت و ارشاد کے لیے جس نقطہ سے پہلا قدم اٹھایا تھا۔ بیٹے کے روحانی سفر کی وہ آخری منزل ہوئی اور اسی نقطے پر پہنچ کر اسلام کی تکمیل ہوگئی۔ اس لیے کہ اس نے تمام دنیا کو مژدۂ امن سنایا تھا۔ آسمانی فرشتے نے بھی اس کو کامیابی مقصد کی سب سے آخری بشارت دے دی۔ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ ''آج کے دن میں نے تمھارے دین کو بالکل مکمل کردیا اور تم پر اپنے تمام احسانات پورے کردیے اور میں نے تمھارے اسلام کو ایک برگزیدہ دین منتخب کیا۔'' (المآئدۃ 3:5)





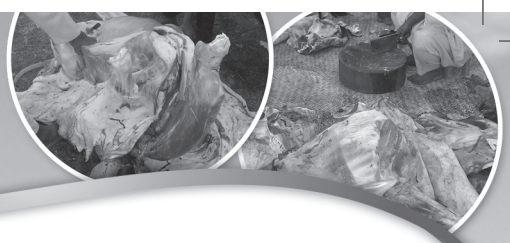
اَللّٰہُ

خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اعداد: حافظ شبیر صدیق

قربانی پس منظر اور مقاصد

خطبہ مسنونہ کے بعد: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْثِہٖ وَنَفْخِہٖ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْo اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ﴾

یہ (عشرۂ ذوالحجہ) بڑے ہی بابرکت دن گزر رہے ہیں۔ ان دنوں میں شریعت کی ہدایت یہی ہے کہ کثرت سے نیک اعمال کیے جائیں۔ اور جس نیک عمل کی شریعت نے بطور خاص تاکید کی ہے وہ اللہ کا ذکر ہے: ﴿وَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ ''ان گنتی کے چند دنوں میں اللہ کا خوب ذکر کرو۔'' (البقرۃ: 203:2) الترغیب والترہیب میں ایک حدیث ہے۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے: «اکْثِرُوا فِیھِنَّ مِنَ التَّسْبِیحِ وَالتَّحْمِیدِ وَالتَّھْلِیلِ وَالتَّکْبِیرِ» ان دنوں میں کثرت سے تسبیح کرو، تحمید کرو، تہلیل کرو اور تکبیر کرو۔ (الترغیب والترھیب: 15/2) تسبیح سے مراد سبحان اللہ کہنا پسند ہے ہر اس شے سے زیادہ جس جس شے پر سورج کی دھوپ پڑتی ہے، یعنی پوری کائنات سے زیادہ یہ کلمات مجھے محبوب ہیں۔ یہ بات تو عام دنوں کی ہے لیکن ان دنوں میں اگر یہ کلمات کہے جائیں گے جن دنوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَا مِنْ اَیَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِیھِنَّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ الْعَشْرِ» ''جتنے بھی دن ہیں اس دنیا کے ان سب سے زیادہ ان دس دنوں کی نیکیاں اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہیں۔'' (جامع الترمذی: 757) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے: «اَفْضَلُ اَیَّامِ الدُّنْیَا الْعَشْرِ» ''دنیا کے سب سے بہترین دن، افضل دن، یہ ذوالحج کے دس دن ہیں۔'' (الترغیب والترھیب: 15/2) یہ نیکی کثرت سے کی جائے۔ تکبیرات پڑھنا سلف صالحین کا معمول تھا: «اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ» ان تکبیروں سے فضائیں گونجنی چاہئیں۔ یہ دن بڑے مبارک ہیں۔ ان میں نیکیوں کی کیا قدر و قیمت ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا اہمیت ہے؟ اجر و ثواب کی کیا مقدار ہے؟ اس کا شریعت نے ذکر نہیں کیا بلکہ اس کو ہم سے چھپالیا ہے۔ یہ چھپانا بھی درحقیقت ترغیب کی نشاندہی کرتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا ان دنوں کے عمل کا، نیکیوں کا اللہ کے ہاں کیا صلہ ہے؟ ہاں ایک جھلک دکھائی ہے نو ذوالحج۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے: «صَیَامُ یَوْمِ عَرَفَۃَ اَحْتَسِبُ عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّکَفِّرَالسَّنَۃَ الَّتِی قَبْلَہٗ وَالسَّنَۃَ الَّتِی بَعْدَہٗ» ''نو ذوالحج کا روزہ جو کہ یوم عرفہ ہے، اس روزے کا اجر یہ ہے کہ اللہ رب العزت اس ایک روزے کی برکت سے گزشتہ سال کے سارے گناہ معاف کردیتا ہے اور آئندہ سال کے گناہ بھی معاف کردیتا ہے۔'' (صحیح مسلم: 1162) یعنی سالِ گزشتہ جو گناہ آپ نے کیے ہیں وہ معاف ہوجاتے ہیں اور سال آئندہ جو گناہ آپ نے ابھی کیے ہی نہیں بلکہ کرنے ہیں وہ بھی اس روزے کی برکت سے معاف ہو



جاتے ہیں۔ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ یہ صغیرہ گناہ ہیں اور کبیرہ گناہ کی بخشش اس سے بھی آسان ہے اور وہ توبہ ہے۔ ایک انسان ندامت کے ساتھ سچی توبہ کرلے تو ایک ہی لمحے میں وہ سارے کبیرہ گناہ بخشوا سکتا ہے۔ یہ شریعت کی سماحت اور برکت ہے۔

اور پھر دس ذوالحج جو ہمارا تہوار ہے، ہماری عید ہے، یہ دن یوم النحر کہلاتا ہے۔ اس دن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ یوم النحر کو انسان کا سب سے عمدہ عمل قربانی ہے، حالانکہ یوم النحر کو بڑے بڑے کام ہوتے ہیں۔ یوم النحر کو بیت اللہ کا طواف ہوتا ہے جس کو طواف افاضہ کہتے ہیں۔ صفاہ مردہ کی سعی ہوتی ہے اور حجاج کرام اللہ کی رضا کے لیے اپنے سر منڈاتے ہیں۔ احرام اتارے جارہے ہیں۔ جمرات کو کنکریاں ماری جارہی ہیں جو شیطان سے بغض اور عداوت اور نفرت کا اظہار ہے۔ قربانی بھی کی جارہی ہے مگر فرمایا کہ آج کے دن سارے اعمال میں سب سے افضل عمل قربانی ہے۔ (جامع الترمذی: 1493، ضعیف) یہ قربانی کیا ہے؟ ہم یہ بحث کرتے رہتے ہیں کہ یہ فرض ہے یا سنت ہے؟ لیکن صحابہ کرام نے کبھی یہ سوال نبی علیہ السلام سے نہیں کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! قربانی کا حکم کیا ہے؟ سنت ہے یا فرض ہے؟ وہ تو یہ دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے۔ اور عمل بھی ایسا ہے کہ جس میں کبھی آپ نے ناغہ نہیں کیا۔ ہر سال کرتے تھے۔ جامع ترمذی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ «اَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ بِالْمَدِينَةِ عَشَرَ سِنِينَ يُضَحِّي» رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں دس سال قیام کیا ہے اور ہر سال قربانی کرتے تھے۔ (جامع الترمذی: 1507، ضعیف) نبی علیہ السلام کی مالی حالت کیا ہے؟ کبھی کبھی تین چاند گزر جاتے اور آپ کے گھر میں چولہا نہ جلتا۔ ایسے مواقع بے شمار دفعہ آئے ہیں کہ مگر اس کے باوجود آپ ﷺ قربانی ہر سال کرتے تھے۔

قربانی کیا ہے؟ یوم النحر کو ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جو اس کائنات میں اس سے قبل کبھی رونما نہ ہوا۔ نہ آج تک ہوا ہے اور نہ قیامت تک رونما ہوگا۔ چشم فلک نے کبھی ایسا منظر دیکھا ہی نہیں۔ ایک باپ اپنے بیٹے کو الٹا لٹا کر اپنے ہاتھ سے ذبح کررہا ہے۔ جس کو دعائیں مانگ مانگ کر حاصل کیا تھا۔ بڑی ایک تاریخ ہے اس کے پیچھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ابراہیم خلیل اللہ کو نبوت کا تاج پہنچادیا اور توحید کی دعوت کا حکم دیا تو اپنے گھر سے اس مشن کا آغاز کیا۔ باپ نے انکار کیا، دھمکیاں دیں، جان سے ماردینے کی دھمکیاں دیں۔ تم کو پتھر مار مار کے ختم کردوں گا۔ گھر سے نکال دوں گا۔ قوم کے سامنے دعوت دی۔ قوم نے انکار کیا، ناروا سلوک کیا۔ اور معاملہ نمرود وقت کے پاس پہنچا۔ اس نے بھی انتہائی ناروا سلوک کیا، بلکہ اس کے دربار میں مناظرہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی عزت وعصمت کو وہاں قائم رکھا۔ ان کو کامیابی ہوئی۔ یہ کافر لاجواب ہوا۔

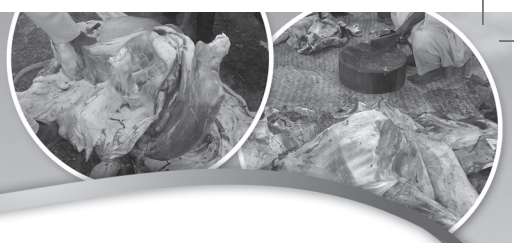
اور پھر پوری مملکت اور پوری سپاہ اور پوری قوم ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے درپے ہوگئی۔ ایک ایسی آگ روشن کی گئی کہ اس سے بڑی آگ دیکھی نہیں گئی۔ اس میں اکیلے ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے، اس میں آپ کو ابھی ڈالا نہیں گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک ہی دعا پڑھی: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ ہمیں اللہ کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔ اور اللہ کافی ہوا: ﴿قُلْنَا يَانَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيمَ﴾ ہم نے کہا کہ اے آگ ٹھنڈی ہوجا۔ اتنی ٹھنڈی نہیں کہ تیری ٹھنڈک سے میرے بندے کو نقصان ہو اور کپکپی طاری ہوجائے بلکہ اتنی ٹھنڈک جس میں سلامتی ہو، ایسی بن جا۔ (الانبیآء 69:21) اور آگ ایسی بن گئی۔ ابراہیم علیہ السلام صحیح سالم آگ سے باہر آگئے۔ یہ ایک معجزہ تھا جس کو پوری قوم نے دیکھا۔ لیکن قوم پھر بھی ایمان نہ لائی۔ حالانکہ یہ معجزہ ابراہیم علیہ السلام کی صدق نبوت کا ایک واضح نشان تھا مگر قوم نے پھر بھی نہ مانا۔ ابراہیم علیہ السلام اس قوم کو دعوت دیتے رہے، دیتے رہے حتی کہ یہ معجزہ بھی ظاہر ہوگیا۔ اور پھر ایک دن آپ نے اعلان کردیا: ﴿اِنِّي ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ میں اپنے اس وطن کو چھوڑ رہا ہوں۔ اور اپنے اہل خانہ کو چھوڑ رہا ہوں اور اپنے رب کی طرف جارہا ہوں ہجرت کرکے۔ (الصافات 99:37) اس قوم نے اس دعوت کا اہتمام نہیں کیا اور اس کو قبول نہیں کیا۔ اب میں دوسروں کے پاس جاتا ہوں وہاں دعوت توحید دینے کے لیے۔ بس وہ تھے اور ان کی بیوی تھی اور اس ملک سے باہر نکل گئے۔ تو یقیناً یہاں ایک ضرورت تھی ایک ایسے فرد کی جو انسیت اور



اللہ

حکمت

محبت کا ذریعہ بنے۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے سرفراز نہیں فرمایا تھا۔ اور آپ کو شدت سے اور بے قراری سے بچے کی خواہش تھی۔ جس سے محبت کریں۔ انسیت ہو۔ اور پھر آگے جوان ہوکر یہ بچہ اس دعوت توحید کا علمبردار ہو۔ اس مشن کا وارث ہو۔ ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ''اے اللہ! مجھے نیک بیٹا عطا فرمادے۔'' (الصافات: 101,100:37) اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کرلی۔ ﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ ہم نے ایک حلیم بیٹے کی بشارت دے دی۔ اللہ کو معلوم تھا اس بیٹے نے حلم کا کردار ادا کرنا ہے۔ ایسا حلم، ایسا صبر، ایسا تحمل کہ چھری کے نیچے بھی آہ نہیں کرے گا۔ ایسا یہ غلام حلیم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک حلیم بیٹے کی بشارت دے دی۔ اور اللہ نے بیٹا دے دیا۔ مگر «اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِيَاءُ» ''سخت ترین تکلیفیں نبیوں پر آتی ہیں۔'' (مسند احمد: 36916) امتحان ختم نہیں ہوئے۔ بیٹا تو مل گیا۔ اور انسیت کا کھلونا ایک مل گیا۔ خوبصورت اور پیارا کھلونا۔ مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ابراہیم! اپنے اس بیٹے کو اور اس کی ماں کو بھی تنہا چھوڑ آؤ۔ ایک جنگل میں، ایک بیابان میں جہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔ کوئی مسکن نہیں ہے۔ یہ مکۃ المکرّمہ بالکل ایک بے آباد علاقہ تھا۔ یہاں اللہ کا گھر بننا تھا۔ اور یہ بھی تقدیر الٰہی کہ یہ گھر بھی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے نے بنانا تھا۔ اس نے قیامت تک قائم رہنا تھا۔ اور لوگوں نے اس گھر کا قصد کرنا تھا۔ اللہ کا قبلہ اور پھر طواف کا مرکز، لوگوں کے دلوں میں اس کی کشش، یہ بھی ابراہیم علیہ السلام کے لیے ایک مستقل اجر کی اساس تھا۔ کوئی سوال نہ کیا کہ یہ وہاں کیسے رہیں گے؟ کیسے گزارا کریں گے۔ بس چھوڑ کر آگئے۔ بیوی نے پوچھا بھی کہ کہاں جارہے ہیں؟ ہمیں کہاں چھوڑ کر جارہے ہیں؟ لیکن پلٹ کر دیکھا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دیکھوں اور بچے کی شفقت غالب آجائے، اس ارادے میں کوئی تاخیر ہوجائے۔ آسمان کی طرف اشارہ کیا، بیوی سمجھ گئی کہ اللہ کا امر ہے اور کہا کہ اگر اللہ کا امر ہے تو پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ دعا کرتے ہوئے وہاں سے نکلے: ﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ ''یااللہ! ایک بے آباد مقام پر اپنے اہل کو چھوڑ کے جارہا ہوں، اپنی ذریت کو چھوڑے جارہا ہوں۔ یہاں جہاں تیرا گھر ہے، تیرا گھر بنے گا یا بن چکا تھا اور پھر وہ گرادیا گیا، گر گیا زمانے کے گزرنے کے ساتھ۔ یااللہ اس لیے تاکہ یہ نمازوں کو قائم کریں۔ یااللہ ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمادے تاکہ تیرا شکر ادا کرتے رہیں۔'' (ابراھیم 37:14) اور پھر وہاں سے واپس آگئے۔ اور گاہے بگاہے اپنے بیٹے کو ملنے جاتے تھے۔ کچھ دن گزارتے واپس آجاتے۔ پھر اسی اثناء میں ایک بار پھر ملنے گئے، بیٹا چلنے پھرنے کے قابل ہوچکا ہے۔ اور پھر ملنے گئے۔ شفقت پدری اور بیٹے کا پیار اور بیٹے کی محبت، اتنے پاکیزہ جذبات۔ چنانچہ انھی جذبات کے تحت فلسطین سے مکہ مکرمہ ملنے کے لیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک اور آزمائش منتظر تھی۔ خواب میں دیکھا اپنے بیٹے کو ذبح کررہے ہیں۔ اور انبیاء کا خواب اللہ کی وحی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کو امر الٰہی سمجھا۔ ایک بار خواب آئی، دو بار خواب آئی، تین بار خواب آئی۔ جس بیٹے کی شفقت اور محبت میں ملنے کے لیے جارہے ہیں اسی بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم آگیا۔ بیٹے کو ساتھ لے لیا اور جہاں ذبح کرنا تھا اور جہاں اللہ کا امر تھا یا اللہ کو منظور تھا کہ یہاں ذبح ہو، منی کی گھاٹی جہاں آئندہ لوگ آکر جانور ذبح کریں، وہاں پر لے گئے اور اپنے بیٹے کو اپنا خواب سنایا: ﴿اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾ ''میں نے خواب میں دیکھا تجھے ذبح کررہا ہوں تیرا کیا خیال ہے؟'' یہ کیوں پوچھا؟ ذبح کرڈالتے۔ یہ سوال کیوں کیا؟ اس میں اگر ذبح کر ڈالتے تو اسماعیل علیہ السلام کی اطاعت ظاہر نہ ہوتی۔ پوچھا: میرے بیٹے! تیرا کیا خیال ہے۔ اور یہ بات وہ جانتے تھے کہ بیٹا فرمانبردار ہے اور یہ غلام حلیم ہے۔ بیٹے نے کوئی اعراض یا انکار نہ کیا: ﴿قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''ابا جان! یہ خواب نہیں اللہ کا امر ہے۔ اسے فوراً کر گزریے۔'' اس کی فوراً تکمیل کیجیے۔ تاخیر کس بات کی ہے؟ تاکہ بیٹا بھی اس آزمائش میں سرخرو ہوکر داخل ہوجائے۔ اگر لاتے ہی لٹا کر ذبح کرڈالتے تو



بیٹے کی مناقب ظاہر نہ ہوتی لیکن پوچھ کر اور اس کی رائے معلوم کر کے اور اس کی رائے بھی سراسر اطاعت کی تھی، اور اللہ کے امر پر قربان ہوجانے کی تھی، وہ بھی اس بشارت میں اور اس منقبت میں داخل ہوگئے اور شریک ہوگئے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ﴾ جب دونوں باپ اور بیٹا میرے فرمانبردار بن گئے تو باپ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ سیدھا بھی لٹا سکتے تھے لیکن محض یہ سوچ کر کہ سیدھا لٹاؤں تو چھری پھیرتے وقت بیٹے کا چہرہ سامنے آجائے تو پھر رکاوٹ نہ بن جائے، شیطان اپنا وار نہ کرجائے۔ پیشانی کے بل لٹایا تاکہ بیٹے کے چہرے کو نہ دیکھ پاؤں۔ اب چھری پھیر رہے ہیں اور چھری پھر نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ﴾ ہم نے ابراہیم کو پکارا: ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا﴾ ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اللہ فرمارہا ہے: تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ سچا کرنے سے کیا مراد ہے؟ ظاہر تو یہ ہے کہ اللہ نے امر دیا اور باپ ذبح کرنے کے لیے تیار ہوگیا اور بیٹا ذبح ہونے کے لیے تیار ہوگیا۔ یہ ظاہری سچ ہے۔ لیکن اللہ رب العزت کے فیصلے صرف ظاہر پر نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن پر ہوتے ہیں۔ اللہ کی فہرست میں سچا وہ ہے جو ظاہر میں سچا ہو اور باطن میں سچا ہو۔ جس کا دل بھی اس کے ظاہری عمل کے ساتھ ساتھ اللہ کے لیے مخلص ہو، اللہ کے لیے سچا ہو، اللہ کی رضا کے لیے اور اس کے حصول کے لیے سچا اور صادق ہو، اللہ تعالیٰ ظاہر اور باطن کو دیکھ کر کسی انسان کے سچا ہونے کا فیصلہ کرتا ہے۔

ہم نے ندا دی: ابراہیم! تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ تم ظاہراً و باطناً صادق ہو۔ سچے ہو، صادق ہو۔ اور تم نے واقعتاً اس آزمائش میں سرخروئی حاصل کرلی اور پوری طرح کامیاب ہوگئے۔ اور فرمایا: ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ سلام ہو ابراہیم پر۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے: ابراہیم پر سلام ہو۔ کتنی بڑی عظمت ہے! کتنی بڑی عظمت ہے! ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾ ہم نے ان کے بیٹے کی قربانی کے عوض میں ان کو ذبح عظیم دیا۔ ایک دنبہ جنت کا، جنت میں کھا کر پلا ہوا تھا، اللہ نے وہ بھیج دیا۔ چھری پھر نہیں رہی تھی۔ ابراہیم پریشان تھے۔ اللہ کے امر میں تاخیر کیوں ہورہی ہے۔ اور پھر چھری اچانک پھر گئی۔ ابراہیم خوش ہوگئے۔ آنکھوں سے پٹی کھول دی۔ دیکھا کہ چھری کے نیچے دنبہ ہے۔ اسماعیل علیہ السلام ایک پہلو میں کھڑے ہوئے ہیں اور اللہ کے امر کے منتظر ہیں۔ جنت کا دنبہ اللہ نے عطا فرمادیا۔ اور ساتھ فرمایا: ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ ہم نے اس یادگار کو یہاں ختم نہیں کردیا بلکہ پچھلوں تک اس کو باقی رکھا۔'' (الصّآفّات 37:102-109) یہ یادگار قیامت تک قائم رہے گی اور لوگ بڑے شوق و ذوق سے قربانی کریں گے۔ یہ قربانی کی تاریخ ہے۔ ہمیں اللہ رب العزت نے ایک بڑے امتحان سے بچایا ہے اور محفوظ رکھا ہے۔ بڑا امتحان بچوں کی قربانی کا ہے۔ اللہ بے پروا ہے، کوئی بھی حکم دے سکتا تھا مگر یہ آسان سا حکم ہمیں دے دیا گیا۔ اور وہ قربانی کا ہے۔ بڑے شوق و ذوق سے قربانی کریں، اچھے اچھے جانور لائیں۔ ان کی قربانی کریں۔ یہ سال میں ایک بار وقت آتا ہے سنت ابراہیمی کے احیاء کا۔ اور اللہ رب العزت نے یہ شوق اپنے بندوں کے دلوں میں داخل کردیا ہے بندے بڑے شوق سے یہ قربانی کرتے ہیں۔ اور میدان منیٰ میں دس ذوالحج کو قربانیاں ہوں گی۔ پچیس سے تیس لاکھ حاجی، اور ہر حاجی کم از کم ایک قربانی ضرور کرے گا۔ اللہ کے امر کی تعمیل جس کا آغاز، نقطۂ آغاز ایک عظیم تاریخ ہے۔ ایک عظیم امتحان ہے جس سے ابراہیم علیہ السلام سرخرو ہوئے اور کامیاب ہوئے اور ہمیں یہ ایک یادگار دے دی گئی۔ یہ قربانی کیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام کی یادگار، ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔ اللہ پاک کا فرمان ہے: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ یہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ (الحج 22:36) اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے تمھارے پاس۔ یہ قربانی کے جانور اللہ کی نشانیاں ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ جو اللہ کے شعائر کی، اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتے ہیں ان کے دل درحقیقت تقویٰ سے بھرے پڑے ہیں، وہ متقی ہیں۔ جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتے ہیں۔ (الحج 22:32) اللہ کی جو بھی نشانیاں ہیں ان کو پوری تعظیم سے ادا کرتے ہیں، اور یہ قربانی کے جانور بھی اللہ کی



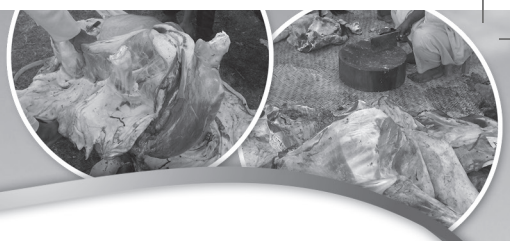
اللہ

حکمت

نشانیاں ہیں۔ اللہ نے یہ عجیب مخلوق ہمارے لیے پیدا کی: اونٹ، گائے، بکرے، دنبے۔ یہ ایک عجیب اور پیاری مخلوق پیدا کی ہماری قربانیوں کے لیے۔ ان کو اپنا شعائر قرار دیا اور شعائر کی تعظیم کو دلوں کا تقویٰ قرار دیا۔ تو ہم بھی ان کی تعظیم کریں۔ ان کی تعظیم یہ نہیں ہے کہ ان کو آپ کسی اچھے قالین پر بٹھا دیں، اور غبارے باندھ دیں، گھنگرو باندھ دیں، رنگ لگا کر بازاروں میں گھمائیں پھرائیں۔ یہ کوئی تعظیم نہیں ہے۔ تعظیم وہ ہوتی ہے جس میں شریعت کے حقوق کی ادائیگی ہو۔ جانور اچھا خریدا جائے، خوبصورت خریدا جائے، پلا ہوا اور قیمتی ہو، اور پھر اس جانور کو کھلایا جائے، پلایا جائے، اس کی خدمت کی جائے۔ کیونکہ اللہ کی نشانی ہمیں ملی ہے۔ اس کی خدمت کی جائے اس کو بھوکا نہ مارا جائے۔ اچھے سے اچھا کھلایا جائے اور پھر اس کے ذبح کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَ وَالْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ» ''جانور ذبح کرو اچھے طریقے سے کرو، اپنی چھری تیز کرلو اور اپنے ذبیحے کو آرام پہنچاؤ تاکہ جلدی اس کی جان نکل جائے، وہ تڑپتا نہ رہے۔'' (صحیح مسلم: 1955)

ذبح میں قساوت قلبی نہ ہو، دل کی قساوت نہ ہو بلکہ تعظیم کا پہلو ہو، احترام کا پہلو ہو، اس جانور سے محبت کا پہلو ہو۔ یہ محبت اس جانور سے نہیں، یہ محبت اللہ کے شعائر سے ہے اور اللہ کی نشانی سے ہے۔ اور اللہ کی جو بھی نشانی ہو تمھارے پاس اس کی قدر اور تعظیم کرو۔ نماز اللہ کا فریضہ ہے۔ یہ بھی اللہ کی نشانی ہے۔ حسن اہتمام سے ادا کرو۔ سنت کے مطابق ادا کرو۔ وقت کی پابندی سے ادا کرو۔ خشیت قلبی سے ادا کرو کیونکہ اللہ کے شعائر میں سے ہے۔

روزہ اللہ کے شعائر میں سے ہے۔ اچھے طریقے سے رکھو پورے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ۔ صدقہ ہے، زکاۃ ہے، حج ہے۔ یہ سارے اللہ کے شعائر ہیں، تمھیں دیے گئے ہیں۔ ان کا خوب اہتمام کرو اور خوب احترام کرو۔ تو ان شعائر میں سے قربانی ہے۔ قربانی کا احترام ہو، قربانی کی تعظیم ہو۔ اور تعظیم یہ بھی ہے کہ اس میں دو پہلو بطور خاص ملحوظ رکھو۔ ایک اخلاص کی حفاظت دوسرا نعرہ توحید۔ یہ سراسر اللہ کی توحید کی اساس پر ہے۔ آج کے دن یہ نعرے فضاؤں میں گونج رہے ہیں۔ میدان منی ایک ہی میدان ہے جہاں پچیس سے تیس لاکھ حاجی قربانی کررہے ہیں اور ہر وقت ہر لحہ سیکڑوں بار یہ نعرے گونج رہے ہیں: «اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ» یا اللہ! یہ قربانی تیری طرف سے ہے اور تیرے ہی لیے ہے۔ «تَقَبَّلْهُ مِنِّي وَمِنْ اَهْلِ بَيْتِي» یا اللہ! یہ قبول کرلے میری طرف سے اور میرے گھر والوں کی طرف سے اور پھر «بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ» اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ بہت بڑا ہے۔ یہ نعرہ، تکبیر کا نعرہ، اللہ کی توحید کا نعرہ۔ یہ قربانی کی اساس ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی توحید کی ترجمان تھی۔ اور اس قربانی میں بھی توحید کی تحقیق ہو۔ بندہ اس توحید کو سمجھے، اگر دل میں ہی بت خانہ ہے تو تیری قربانی کیا قبول ہوگی۔ اگر دل میں شرک کے اڈے قائم ہیں تو تیری قربانی کہاں قبول ہوگی۔ اگر تیرے تعلقات ان درگاہوں کے ساتھ ہیں جہاں پر شرک ہوتا ہے، قبروں کے طواف ہوتے ہیں۔ اور قبروں پر وہ لوگ مجاورت کرتے ہیں، تیری قربانی کہاں قبول ہوگی۔ اگر اللہ کی توحید کے ساتھ غیروں کو شریک کرتے ہو تمھاری قربانی کہاں قبول ہوگی۔ اللہ کی ربوبیت میں غیروں کو شریک کرتے ہو کہ فلاں بھی روزی دے سکتا ہے، فلاں بھی مشکل کشائی کرسکتا ہے، فلاں بھی حاجت روائی کرسکتا ہے اور فلاں بھی دستگیری کرسکتا ہے تو ایک کیا لاکھوں قربانیاں کرلو کوئی فائدہ نہیں۔ تو ایک توحید کی تحقیق، توحید کے درس کو سمجھو، ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کو سمجھو، ان کے کردار کو سمجھو جو سراسر توحید کے ترجمان تھے۔ انھوں نے قوم کو چھوڑا توحید کے لیے، گھر کو چھوڑا توحید کے لیے۔ آگ میں گئے توحید کے لیے، نمرود کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر توحید کا پیغام پہنچایا۔ پوری زندگی توحید سے عبارت تھی۔ حتی کہ ہجرت کی توحید کے لیے، اپنے اہل خانہ کو تنہا جنگل میں چھوڑا اللہ کی توحید کے لیے۔ کل یہاں اللہ کے امر سے اللہ کے گھر کی تعمیر کرنی ہے۔ بیت اللہ توحید کا مرکز، جہاں پر طواف ہوتے ہیں، جو خالص اللہ کے لیے عبادت ہے اور جہاں پر تلبیے گونجتے ہیں «لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيكَ لَكَ» تو اگر تیرے دل میں شرک کی بیماری ہے تو تیری قربانی کہاں قبول ہوگی۔



دوسرا درس یہ ہے کہ قربانی میں اخلاص متحقق ہو، ریاکاری نہ ہو، اخلاص کب سے شروع ہو؟ جب آپ جانور خریدنے جائیں اپنے دل کو اخلاص کے اور آمادہ کرکے جائیں۔ یہ سارا عمل اللہ کے لیے ہے۔ دنیا کے لیے نہیں ہے۔ دنیا کی شہرت کے لیے نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ قربانی اگر نہ کروں تو دنیا کیا کہے گی۔ نہیں یہ عمل اللہ کی رضا کے لیے ہے اور اخلاص کے لیے ہے۔ جانور خریدو، اچھا خریدو، مہنگا خریدو، پلا ہوا خریدو، اس کی قیمت کی تشہیر نہ کرو کہ ٹی وی والے آرہے ہیں، جانور کے فوٹو بن رہے ہیں، اس کی تشہیر ہورہی ہے۔ بڑے فخر سے اس کی قیمتیں بتائی جارہی ہیں۔ یہ سارا ریا کا پروگرام ہے۔ دکھلاوے کا پروگرام ہے۔ اس سے قطعاً قربانی قبول نہیں ہوتی۔ خالق کائنات کا فرمان ہے: ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ ''اللہ تک تمھاری قربانی کا خون یا گوشت نہیں پہنچتا بلکہ تمھارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے۔'' (حج 37:22) اور اللہ رب العزت تمھارے دلوں کے اخلاص کو دیکھتا ہے۔ «اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ» ''ہر عمل سے قبل اللہ رب العزت تمھاری صورتیں نہیں دیکھتا، تمھارا مال نہیں دیکھتا، تمھاری باڈیاں نہیں دیکھتا بلکہ تمھارے دلوں کو دیکھتا ہے اور پھر تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے۔'' (صحیح مسلم: 2564) مگر پہلی نظر تمھارے دلوں کی طرف ہوتی ہے۔ تو قربانی توحید کا درس ہے اور اخلاص کا درس ہے۔ قربانی اطاعت کا درس ہے۔ یہ سارا عمل محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے۔ پیارے پیغمبر ﷺ مدینہ میں دس سال رہے اور قربانی کا حکم مدینہ میں آیا۔ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ اللہ نے قربانی کا حکم دیا۔ یہ آیت مکی ہے مگر باقاعدہ اس کی مشروعیت جو ہے مدینہ سے شروع ہوئی۔ دس سال آپ نے مدینہ میں قیام کیا۔ ہر سال قربانی کی۔ یہ پیارے پیغمبر کی سنت ہے۔ صحابہ کرام بھی اس سنت کو ملحوظ رکھتے اور قربانی کرتے۔ ایک تابعی ابوکباش ان کی کنیت ہے۔ وہ قربانی کے جانور کی تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک سال جانور کا ریوڑ لے کر مدینے میں آگئے۔ اس سال مدینے میں کچھ کساد گزاری تھی۔ معیشت کی تنگی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے ریوڑ کی طرف کوئی رخ نہیں کررہا اور جانور خریدے نہیں جارہے۔ اور سارے کے سارے مینڈے یا دنبے تھے جو لے کر آئے تھے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے شیخ، ان کے استاد، صحابی رسول، ان سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اس کساد گزاری کا ذکر کیا کہ لوگ اس طرف رخ نہیں کررہے۔ ابوہریرہ نے فرمایا کہ رخ کرنا چاہیے۔ میں نے پیارے پیغمبر کی حدیث سنی ہے: «نِعْمَتِ الْاُضْحِيَةُ الْجِذْعُ مِنَ الضَّاْنِ» ''کہ سب سے بہترین قربانی تو دنبے اور مینڈے کی قربانی ہے۔ یہ حدیث لوگوں تک پہنچ گئی۔ فرماتے ہیں کہ لوگ یہ حدیث سن کر میرے ریوڑ پر ٹوٹ پڑے، اس طرح خرید رہے ہیں جیسے لوٹ مار ہورہی ہے۔ مہنگے سے مہنگے دام دے کر خریدتے جارہے ہیں۔'' (جامع الترمذي: 1499، ضعيف) یہ پیارے پیغمبر کے صحابہ ہیں، اور پیارے پیغمبر کی امت کے افراد میں سنت کی اتباع کا جذبہ ہے۔ اور اللہ کے پیغمبر کے امر کی تعمیل کا جذبہ ہے اور ظاہر ہے کہ خلاف سنت کوئی پروگرام قابل قبول نہیں ہے۔ ابو بردہ بن نیار نے عید سے قبل اپنا جانور ذبح کردیا۔ پیارے پیغمبر عیدگاہ کی طرف جارہے ہیں، اس کے گھر کے پاس سے گزرے۔ دیکھا کہ ان کے گھر سے نالی سے بہتا ہوا خون آرہا ہے۔ پوچھا: یہ خون کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا: ابوبردہ بن نیار کا گھر ہے۔ ان سے پوچھ لیں یہ خون کیسا ہے۔ بلایا گیا۔ یہ کیا خون دکھائی دے رہا ہے؟ عرض کیا کہ میں نے اپنا جانور ذبح کرلیا ہے۔ کیوں؟ نماز سے قبل کیوں؟ عرض کیا کہ میرے پڑوسی غریب ہیں۔ میرا جذبہ یہ ہے کہ آج ان کو گوشت کے لیے انتظار نہ کرنا پڑے اور پہلے ان کے گھروں میں میرا گوشت پہنچے۔ یہ کھائیں گے مجھے خوشی ہوگی۔ یہ سارے اللہ کے پیغمبر کے صحابی، رسول اللہ نے اس جذبے کے تحت ان کو شاباش نہیں دی۔ کیونکہ جذبہ صرف وہ قابل قبول ہے جو سنت رسول کے تابع ہو۔ یہ دین تڑپ کا نام نہیں ہے۔ ذاتی جذبات کا نام نہیں ہے۔ ذاتی پسند کا نام نہیں ہے۔ یہ دین اللہ کے پیغمبر کی اتباع کا نام ہے۔ ایک انسان کی وہ طلب، وہ جذبہ اور وہ شوق اور وہ پسند جو اللہ کے پیغمبر کی سنت کے تابع ہو وہ محمود اور قابل تعریف ہے۔ لیکن وہ جذبہ اور



اللہ

حکمت

وہ شوق جو اللہ کے پیغمبر کی سنت کے خلاف ہو وہ قطعاً قابل تعریف نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صاف فرمایا: «تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ» ابوبردہ تمھاری قربانی قبول نہیں ہوئی۔ یہ ایک عام جانور تم نے ذبح کرلیا۔ گوشت کھالیا، کھلا دیا۔ قربانی قبول نہیں ہوئی، تمھیں دوسری قربانی کرنی پڑے گی۔ (صحيح البخاري: 983) تو قربانی کے باب نے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ قربانی کیا ہر معاملہ ضروری ہے کہ اللہ کے پیغمبر کی سنت کے تابع ہو۔ یہ قربانی کے درس ہیں۔ درس توحید، درس اخلاص، درس اتباع۔ اللہ کے پیارے پیغمبر کی سنت کی اتباع۔ اور پھر ایک اور درس کے لیے تیار ہونا۔ وہ درس کیا ہے؟ یہ قربانی ایک تربیت ہے، کیسی تربیت؟ کہ انسان اس جانور کی قربانی کے ذریعے ہر قربانی کا عزم کرلے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور قربانی کے تعلق سے تم سے سودا کر رکھا ہے۔ فرمایا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ ''اللہ نے خرید لیا ہے مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض۔'' (التوبة 111:9) ہر مومن سے سودا ہو چکا ہے کہ جنت چاہیے تو اپنی جانیں، اپنے مال ضرورت پڑنے پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے تیار رہو۔ یہ قربانی ایک تمہید ہے اس سودے کی تیاری کے لیے۔ دین اسلام پر ایسا وقت آجائے، دین اسلام کو ہمارے مال کی ضرورت ہو، ہم مال قربان کردیں گے، لٹادیں گے۔ دین اسلام کو ہماری جان کی ضرورت ہو اپنی جان قربان کردیں گے۔ تو یہ قربانی تمہید ہے اس قربانی کی جو اصل قربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص سے جنت کے بدلے اس کی جان اور مال کا سودا کر رکھا ہے۔ یہ سودا ہو چکا ہے۔ تو دین اسلام کو جب بھی ضرورت پڑی ہمارے مال کی ہم مال خرچ کریں گے۔ جب بھی ضرورت پڑی ہماری جانوں کی جانیں قربان کردیں گے۔ یہ تربیت صحابہ نے حاصل کی تھی، اس تربیت پر وہ قائم تھے۔ عام سے عام صحابی بھی اس پر قائم تھا، ایک شخص کو اللہ کے نبی ﷺ نے جہاد کے بعد طلب کیا اور کہا: یہ سارا ڈھیر تمھارا مال غنیمت ہے اس کو سمیٹ لو۔ اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! اگر میں یہ ڈھیر سمیٹ لوں تو اس کے گننے میں مشغول ہوجاؤں گا۔ مجھے دنیا کی کوئی طلب اور حرص نہیں ہے۔ «اَتَّبَعْتُكَ عَلَى اَنْ اُرْمٰى اِلٰى هَاهُنَا» میں نے تو کلمہ پڑھا ہے تاکہ اسی میدان جہاد میں یہاں تیر لگے، گردن پے ہاتھ رکھا، اور میں شہید ہوجاؤں۔ میرا تو یہ عزم ہے۔ اس عزم کے لیے مجھے مال کی کیا ضرورت ہے؟ اس ڈھیر کی کیا ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں اس ڈھیر میں مشغول ہوجاؤں، اس کی حفاظت میں کمربستہ ہوجاؤں۔ تو مجھے یہ مال نہیں چاہیے، ضرورت نہیں ہے۔ میرا شوق تو کچھ اور ہے۔ میری طلب تو کچھ اور ہے۔ اور پھر اگلے معرکے میں یہ شخص پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ موجود تھا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ «اِنْ تَصْدُقِ اللّٰهَ يَصْدُقْكَ» اگر تم سچے دل سے یہ بات کہہ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ تمھاری صداقت کی لاج رکھے گا۔ اگلے معرکے میں موجود تھا۔ اور شانہ بشانہ لڑ رہا ہے، جہاد کر رہا ہے۔ اور بالآخر ایک تیر پیوست ہوا اس کی گردن میں جہاں انگلی رکھی تھی اور یہ صحابی شہید ہوگیا۔ میدان جہاد کے بعد نبی علیہ السلام نے اس کی لاش کو دیکھا، تیر وہیں لگا ہوا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: «صَدَقَ اللّٰهَ فَصَدَقَهُ» سچا تھا اللہ نے اس کی صداقت کی لاج رکھی۔ (سنن النسائي: 1955) دیکھیں صحابہ کرام کس طرح اپنے آپ کو قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ کھڑے کھڑے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کردیتے تھے۔ اور دین پر آنچ نہیں آنے دیتے تھے۔ ابوطلحہ انصاری بڑے گھنے باغ کے مالک تھے۔ ایک بار باغ میں نفل ادا کر رہے تھے۔ ایک پرندہ باغ میں آگیا۔ اب وہ نکلنے کے جتن کر رہا ہے۔ اس کو نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا۔ دل ہی دل میں خوش ہوگئے کہ میرا باغ کتنا گھنا ہے اور کتنے اس میں پھل ہیں کہ ایک پرندے کو نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا۔ نماز میں پرندے کو دیکھتے رہے۔ اور پرندے کو دیکھ کر اپنے باغ کے گھنے پن پر خوش ہوتے رہے۔ اور پھر اس طرح نماز پوری کی۔ نماز کے بعد کہا کہ ابوطلحہ! افسوس! اپنے خالق اور مالک کے سامنے کھڑے تھے، بجائے اپنے قلب کی حضوری کے، اللہ کی طرف توجہ کے، تمھاری توجہ باغ کی طرف تھی۔ پرندے کی طرف تھی۔ باغ کے پھلوں کی طرف تھی اور باغ کے گھنے پن کی طرف تھی۔ فوراً ایک عزم

بقیہ: صفحہ نمبر 70 پر



ابو حمنہ ذکاء اللہ سلیم حفظہ اللہ

خطیب جامع مسجد گرین لین، برمنگھم

جنرل سیکرٹری الرحمہ ٹرسٹ

برمنگھم... تو مسلمانوں کا شہر بن چکا ہے!!

باحجاب خواتین اسلام اور باشرع مسلمان برطانوی وزیراعظم کے لیے باعث تشویش بن گئے

اسلام وہ یکتا دین فطرت ہے جو خالق کائنات کی بارگاہ میں مقبولیت کا درجہ رکھتا ہے۔ تمام تر انبیاء و رسل علیہم السلام اسی دین کے حامل و داعی رہے حتی کہ خاتم الانبیاء ﷺ پر اس دین الٰہی کی تکمیل کردی گئی۔ سیدنا نوح علیہ السلام سے لے کر جناب محمد کریم ﷺ تک تمام انبیاء کی پرانوار زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل عیاں ہوتی ہے کہ ہمیشہ سے اس دین کو دبانے یا مٹانے کی شیطانی سازشیں ہوتی رہی ہیں مگر جب جب اسے دبایا گیا تب تب یہ مزید پروان چڑھتا گیا، اور دشمنانِ اسلام ہمیشہ سرنگوں ہوئے اور انھیں ذلت و ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ o اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ o وَاِنَّ



﴿جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ﴾ ''اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے حق میں ہمارا اٹل فیصلہ ہے کہ بلاشک وشبہ ہماری مدد انھی کے ساتھ رہے گی اوراس میں بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہمارا گروہ ہی غالب رہے گا۔''(الصافات 37:171 - 173) دوسری جگہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِي اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ ''اللہ نے یہ طے کررکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے کیونکہ اللہ ہی سب قوتوں اور طاقتوں کا مالک ہے۔''(المجادلة 21:58)

دورِحاضر، جسے نہایت پرفتن اور زوالِ امت کا دور کہا جاتا ہے، میں بھی یہ حقیقت مسلم نظر آتی ہے کہ لاکھوں نفرتوں، بہتان بازیوں اور نت نئی سازشوں کے باوجود یہ دین پوری شان وشوکت سے پھیلتا جارہا ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے عالمی سطح پر دہشت گردی کے منحوس عمل کو اسلام کے ساتھ ناحق جوڑ کر اہل اسلام کو مسلسل تنقید ہی کا نہیں بلکہ ظلم و جبر کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اور عدل و انصاف کی دُگدگی بجانے والے انسانی حقوق کی تمام حدوں کو پھلانگ کر ہر دین پسند مسلمان کو ''بنیاد پرست'' ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں۔ حال ہی میں برطانیہ کی وزیرداخلہ تھریسامئی کا ایک بیان سامنے آیا کہ ''بہت سے مسلمان جو اگرچہ دہشت گرد تو نہیں ہیں مگر بنیاد پرست ضرور ہیں اور یہی بنیاد پرستی انھیں بالآخر دہشت گرد بنانے کا باعث بنتی ہے، لہٰذا انھیں اس بنیاد پرستی سے روکنے کے لیے مضبوط اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔'' اور عملی طور پر حکومت برطانیہ نے ایک ایسا تربیتی پروگرام بھی متعارف کروادیا ہے جس کے تحت ممکنہ طور پر بنیاد پرست خیالات رکھنے والے مسلمانوں کو بنیاد پرستی سے باز رکھنے کے اقدامات کیے جارہے ہیں۔ قابل غور بات تو یہ ہے کہ موجودہ حکومت برطانیہ کی نظر میں ہر باریش، پنج وقتہ نمازی اور سر کو ہروقت ٹوپی یا رومال سے ڈھانپ کر رکھنے والا مرد اور حجاب و نقاب کا اہتمام کرنے والی خاتون، نیز گانے بجانے، سود لینے دینے اور مخلوط مجالس سے اجتناب کرنے والا شخص بنیاد پرست ہوسکتا ہے۔

وزیرداخلہ سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار برطانیہ کے وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون نے 20 جولائی 2015ء کو برطانیہ کے دوسرے بڑے شہر برمنگھم میں ایک تقریر کے دوران بھی کیا جس کے نتیجے میں یہاں کی مسلم کمیونٹی سخت تشویش کا شکار ہوئی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان دِل شکن باتوں کا پس منظر کیا ہے اور کیا ایسے بیانات اور اقدامات سے اسلام یا مسلمانوں کو دبایا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے برطانیہ کا اور بالخصوص برمنگھم شہر کا منظرنامہ جاننا ضروری ہے۔

دراصل برمنگھم برطانیہ کا دوسرا بڑا شہر ہے اور اس میں مسلمانوں کی کثیر تعداد موجود ہے جس کا تعلق دنیا کے مختلف ممالک سے ہے۔ یہاں نومسلم حضرات کی بھی ایک خاطرخواہ تعداد مقیم ہے۔ 2011ء کی مردم شماری کے مطابق برمنگھم میں مسلمانوں کی تعداد اڑھائی لاکھ کے قریب ہے جو کہ یہاں کی آبادی کا تقریباً بیس فیصد ہے جبکہ 2006ء میں یہ تعداد موجودہ تعداد سے نصف تھی۔ یہاں مساجد کی تعداد 160 سے تجاوز کرچکی ہے جن میں سے 19 مساجد محض مسلمانوں کی گنجان آبادی والے محلے سمال ہیتھ میں واقع ہیں جہاں مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کا مرکزی دفتر اور ہیڈکوارٹر ''گرین لین مسجد'' قائم ہے۔

یہاں تیزی سے بڑھتی ہوئی مسلمانوں کی تعداد کی تین بڑی وجوہات ہیں:

① مسلمان ممالک سے اور اسلام دشمنی کا اظہار کرنے والے یورپی ممالک، مثلاً: فرانس، ہالینڈ اور ڈنمارک، سے روزگار کی تلاش اور دین کی حفاظت کی غرض سے برطانیہ آنے والوں کا بڑھتا ہوا رجحان۔

② ساٹھ ستر کی دہائی اور اس کے بعد سے برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کی اولادوں کے پروان چڑھنے سے نئی نسل کی بڑھتی ہوئی تعداد۔

③ اسلام قبول کرنے والے افراد اور خاندانوں میں مسلسل اضافہ۔

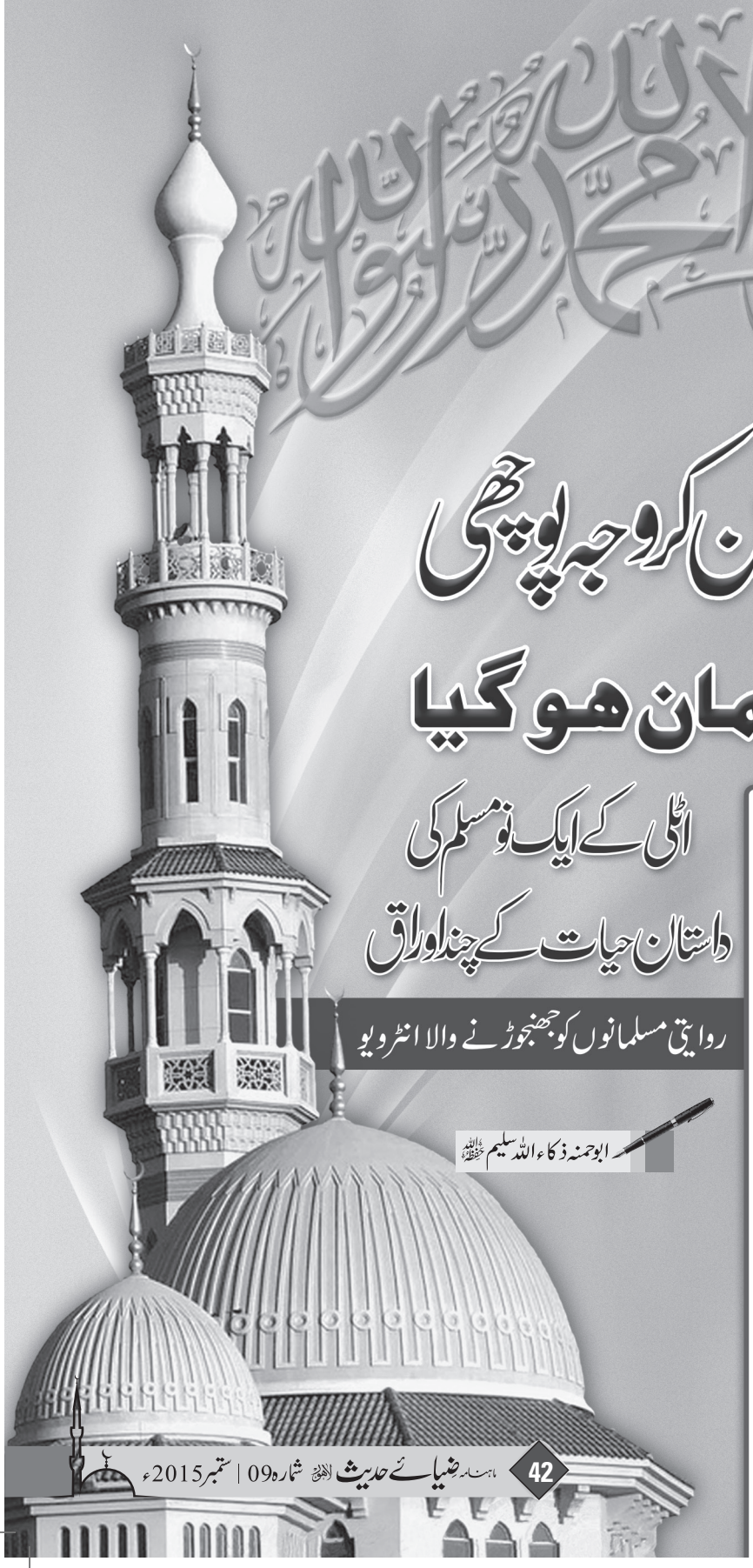
بات صرف مسلمانوں کی تعداد تک محدود نہیں بلکہ ان کا دین کی طرف گہرا رجحان دراصل غیروں کے لیے باعث تشویش ہے۔ صورتِ احوال یہ ہے کہ مشرق ومغرب کے مسلمان ممالک سے تعلق رکھنے والے برمنگھم میں مقیم مسلمانوں کا تجزیہ یہ ہے کہ رمضان المبارک جیسے اہم اور مبارک موقع کو برمنگھم



میں گزارنا بہت سے مسلمان ملکوں میں گزارنے سے بہتر ہے کیونکہ یہاں 18 یا 19 گھنٹے کا طویل روزہ رکھنے اور باقاعدگی سے روزانہ ملازمت پر حاضر ہونے کے باوجود نماز تراویح کے لیے مساجد کھچا کھچ بھری رہتی ہیں، جہاں نمازیوں کی تعداد سیکڑوں میں بلکہ بعض مساجد میں ہزاروں میں ہوتی ہے۔صرف ایک گرین لین مسجد ہی میں اوسطاً تین ہزار حضرات وخواتین روزانہ نمازِ تراویح کے لیے جمع ہوتے ہیں، جبکہ یہ تعداد رمضان کے آخری عشرے میں تقریباً دوگنا ہوجاتی ہے۔ مسلمانوں کی کثیر آبادی والے محلوں میں چلے جائیں تو وہاں جاکر آپ کے لیے یہ تصور کرنا مشکل ہوجائے گا کہ آپ کسی غیر مسلم ملک میں موجود ہیں کیونکہ سڑکوں پر برقع پوش خواتین (جن میں نومسلم خواتین کی خاطرخواہ تعداد شامل ہے) اور باریش حضرات بھاری تعداد میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح کئی ایک سرکاری سکولوں میں 80 سے 90 فیصد طلبہ کی تعداد مسلمان بچوں پر مشتمل ہے جہاں مذہبی رواداری کے تحت اساتذہ اور بچوں کو نماز اور جمعہ ادا کرنے کی سہولت بھی فراہم کی جاتی ہے۔ ان سکولوں میں اکثر بچیاں سکارف اور برقعے پہن کر جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں بہت سے پرائیویٹ اسلامک سکولز بھی قائم ہیں جو کہ محکمہ تعلیم سے باقاعدہ منظور شدہ ہیں۔ رہی بات قبول اسلام میں رجحان کی تو اس کا اندازہ اس بات سے کرلیجیے کہ گزشتہ دوسالوں میں صرف ایک مسجد گرین لین میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد چار سو سے متجاوز ہے۔ الحمدللہ علی ذالک۔

یہی وہ صورتِ حال ہے جس کے پیش نظر کچھ عرصہ قبل فرانس کے ایک تجزیہ نگار اور دہشت گردی کے متخصص تبصرہ نگار سٹیون ایمرسن (Steven Emerson) نے یہ کہہ ڈالا کہ برمنگھم تو مسلمانوں ہی کا شہر بن چکا ہے جہاں غیر مسلم جانے سے گریز کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ بات فرانس میں پیغمبر گرامی ﷺ کی توہین کرنے والے میگزین چارلی ہیڈو (Charlie Hebdo) کے آفس پر ہونے والے حملے کے بعد کہی اور اسے امریکہ کے ٹی وی چینل FoxNews نے براہ راست نشر کیا۔ اگرچہ انھیں اپنی اس بات پر نہ صرف معذرت کرنا پڑی بلکہ انھیں تنقید کا نشانہ بنایا حتی کہ برطانیہ کے وزیراعظم نے اس شخص کو ''کھلم کھلا احمق'' بھی کہا، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ یہی وزیراعظم برمنگھم میں آکر یہ بیان داغ رہے ہیں کہ بنیاد پرست مسلمانوں کی روک تھام کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جارہے ہیں تاکہ اس ملک سے بنیاد پرستوں کا خاتمہ کردیا جائے۔ مگر بہتر تدبیر کے مالک کی تدبیر دیکھیے کہ ڈیوڈ کیمرون کی اس تقریر ہی کے دنوں میں عیدالفطر کے موقع پر اسی شہر برمنگھم میں یورپ کا سب سے بڑا اجتماع ہوا جس میں لگ بھگ ساٹھ ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ یورپ میں عمومی طور پر نماز عید مساجد کے اندر ہی ادا کی جاتی ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہاں کا ناقابل یقین بدلتا ہوا موسم ہے مگر گزشتہ چند سالوں سے چونکہ رمضان المبارک موسم گرما میں واقع ہورہا ہے اس لیے بارش اور آندھی کا امکان موسم سرما کی بہ نسبت کم ہوتا ہے۔ اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے بہت سی مساجد کی طرف سے برمنگھم سمیت برطانیہ بھر میں نماز عید کا اہتمام کھلے میدان میں یا پارک میں کیا جاتا ہے۔ امسال برطانیہ کے متعدد شہروں میں نماز عید مساجد سے باہر ادا کی گئی جن میں سرفہرست برمنگھم کا نماز عید کا اجتماع تھا۔ گرین لین مسجد برمنگھم کی طرف سے 2012ء میں پہلی مرتبہ مسجد سے قریب ترین ''سارا پارک'' میں نماز عید کا اہتمام کیا گیا تو مجمع بارہ ہزار کے لگ بھگ تھا۔ 2013ء میں یہاں کی مقامی کونسل کی مشاورت سے طے پایا کہ کھلے میدان میں نماز عید ادا کرنے کا شوق رکھنے والے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اس بات کی متقاضی ہے کہ اس مرتبہ اس کا اہتمام کسی بڑے پارک میں کیا جائے۔ چنانچہ اس کے لیے مسجد سے چند فرلانگ کے فاصلے پر واقع سمال ہیتھ پارک کا انتخاب کیا گیا اور عید کا اجتماع تقریباً سترہ ہزار لوگوں پر مشتمل رہا۔ 2014ء میں نماز عیدالفطر کے اجتماع کو مزید بارونق، منظم اور پرمسرت بنانے کے لیے اسی پارک میں نماز عید کے بعد عید بازار اور عید میلے کا اہتمام بھی کیا گیا جہاں فحاشی وعریانی اور موسیقی سے پاک ماحول میں لوگوں نے عید کا دن پارک ہی میں گزارا۔ اس مرتبہ حاضرین کی تعداد 40 ہزار تک پہنچ گئی۔ 2015ء میں ایک

بقیہ صفحہ نمبر 16 پر



بسم اللہ سن کر وجہ پوچھی اور مسلمان ہو گیا

اٹلی کے ایک نومسلم کی داستان حیات کے چند اوراق

روایتی مسلمانوں کو جھنجوڑنے والا انٹرویو

ابو حمنہ ذکاء اللہ سلیم حفظہ اللہ

(الرحمہ ٹرسٹ U.K کے ایک ٹرسٹی ''عبدالوہاب'' تیس سال قبل حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ اصلا اطالوی ہیں اور اب برطانیہ کے شہر برمنگھم میں مقیم ہیں اور گزشتہ ایک دہائی سے زائد عرصے سے سماجی اور رفاہی کاموں میں مصروف ہیں۔ ان کا ''اندھیرے سے اُجالے تک'' کا سفر انٹرویو کی صورت میں پیش خدمت ہے۔)

ضیائے حدیث: السلام علیکم!

عبدالوہاب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ضیائے حدیث: آپ کیسے ہیں؟

عبدالوہاب: سب خیریت ہے۔ الحمدللہ۔

ضیائے حدیث: ہم تعلیمی اور دعوتی نقطہ نظر سے آپ کا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں جو کہ لاہور،

پاکستان سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں چھپے گا اور قارئین کے لیے سبق آموز ہوگا، ان شاء اللہ۔ کیا آپ اس سے متفق ہیں۔

عبدالوہاب: جی ضرور۔

ضیائے حدیث: سب سے پہلے تو آپ ہمارے قارئین کو اپنا بنیادی تعارف کروائیے۔ آپ کا نام جو بوقت پیدائش آپ کے والدین نے رکھا؟

عبدالوہاب: سینٹے چکریلو (SANTE CICCARELLO) (یہ اطالوی نام ہے)۔

ضیائے حدیث: اب آپ کی عمر کتنی ہے؟

عبدالوہاب: اس وقت میں پچاس سال کا ہوگیا ہوں۔

ضیائے حدیث: آپ کی تعلیم کیا ہے؟

عبدالوہاب: میں نے (Preservation of cultural heritage) ''ثقافتی وراثت کے تحفظ'' سے متعلق لٹریچر میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی ہوئی ہے۔

ضیائے حدیث: آپ کا پیشہ یا مشغلہ کیا ہے؟

عبدالوہاب: میں انٹرنیشنل این جی او ''اسلامک ریلیف'' میں ملازمت کرتا ہوں علاوہ ازیں رضا کارانہ طور پر الرحمہ ٹرسٹ میں بھی کام کر رہا ہوں جس کا میں ایک ٹرسٹی بھی ہوں۔

ضیائے حدیث: آپ مسلمان کب ہوئے؟

عبدالوہاب: میں تو پیدا ہی مسلمان ہوا تھا مگر عیسائی والدین کی وجہ سے نصرانیت کی طرف چلا گیا۔ تو یوں کہیے کہ میں ''فطرت یعنی اسلام'' کی طرف 1985ء میں پلٹا۔

ضیائے حدیث: آپ کے بقول ''اسلام کی طرف پلٹنے'' کا سفر کب جاری ہوا اور کس قدر طویل رہا؟

عبدالوہاب: یہ واپسی کا سفر اس وقت شروع ہوا جب میں سیکنڈری سکول کی آخری کلاسوں میں تھا اور والدین (جو کہ کٹر مذہبی کیتھولک عیسائی تھے اور اب بھی ہیں) کے کہنے پر باقاعدگی سے چرچ جایا کرتا تھا۔ اس سفر کو تقریباً چار سال لگے۔

ضیائے حدیث: اپنے قبول اسلام کے سفر کی ذرا تفصیل بتائیے۔

عبدالوہاب: جیسے میں نے ذکر کیا ہے کہ میں دین فطرت دین اسلام پر ہی پیدا ہوا تھا جیسا کہ حدیث شریف میں کہا گیا ہے: «مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَد عَلَى الفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَو يُنَصِّرَانِهِ اَو يُمَجِّسَانِهِ.....» ''ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (یعنی دین اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' (صحيح البخاري: 1358) تو چونکہ میرے والدین نصرانی تھے تو انھوں نے مجھے نصرانی بنا دیا۔ دراصل میرے والدین عیسائیوں کے فرقے کیتھولک سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ اٹلی کا سرکاری مذہب ہے۔ میرے والد ایک فوجی بھی تھے تو اس اعتبار سے وہ اپنے ملک کے سرکاری مذہب کے حامل و عامل بھی تھے اور وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ میں بھی ان کی طرح فوج میں ملازمت کروں اور مذہب کے ساتھ بھی جڑا رہوں۔ اس مقصد کے لیے وہ مجھے باقاعدگی سے چرچ بھیجا کرتے تھے تاکہ میں وہاں جا کر اجتماعی عبادت و ریاضت اور دعا میں شامل ہوں، چنانچہ دس بارہ سال کی عمر میں میں ایک باعمل عیسائی بچہ تھا جو چرچ کی عبادت اور دعا میں شامل ہوتا اور اپنی تہذیب کے مطابق عیسائی مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

ہمارے بچپن میں اٹلی کے گرجا گھروں کا عمومی ماحول یہ تھا کہ گرجا گھر کی طرف سے بچوں اور ہلکی عمر کے نوجوانوں کے لیے مختلف نوعیت کی سرگرمیوں کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ جن میں کھیل کود اور تفریحی سرگرمیاں سرفہرست تھیں۔ ان کا مقصد نئی نسلوں کو مذہب سے جوڑے رکھنا ہوتا تھا۔ میں بھی گرجا گھر جا کر ان سرگرمیوں میں حصہ لیتا رہا حتی کہ جب میں پندرہ سولہ سال کی عمر کو پہنچا تو میں نے محسوس کرنا شروع کیا کہ وہ بہت سے بچے جو عرصہ دراز تک ان گرجا گھروں میں آتے رہے ہیں تاکہ وہ اپنے مذہب سے منسلک رہیں ان میں سے کوئی بھی سترہ سال کی عمر کے بعد گرجا گھر کا رُخ نہیں کرتا۔ صرف یہی نہیں ان میں سے اکثر معاشرتی برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ چوری، ڈاکہ زنی اور منشیات فروشی ایسے نوجوانوں میں عام نظر آتی ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ اسی سوچ اور فکر کے ساتھ ساتھ مجھ پر بھی ایسا وقت آ گیا کہ میں نے بھی دیگر نوجوانوں کی طرح اس رجحان کو قبول کر لیا اور چرچ جانا چھوڑ دیا۔ میرے والدین کافی زور لگاتے کہ میں چرچ جایا کروں مگر ان کے کہنے پر اگر میں کبھی چلا بھی جاتا تو مجھے وہاں میرا کوئی ہم عمر نظر نہ آتا۔ میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ سترہ سال کی عمر کے بعد چرچ جانا یا

دوسرے لفظوں میں مذہب سے منسلک رہنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ البتہ مجھے برائیوں میں مبتلا نوجوانوں کو دیکھ کر دکھ ہوتا کہ یہ لوگ چرچ سے تربیت پانے کے باوجود اس قدر بدعمل کیوں ہیں۔ یہی وہ بات تھی جس نے مجھے مجبور کیا کہ میں مذہب کے بارے میں کچھ تحقیق کروں۔ نیز میں نے اگرچہ دیگر نوجوانوں کے رجحان کے مطابق چرچ جانا تو بہت کم کردیا تھا مگر میں اپنے اندر مذہب سے دوری کی کمی محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے دِلی اطمینان کے حصول کے لیے مذہبی کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا مگر تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ میرے دل میں عیسائی مذہب کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مجھے عیسائی مذہب کے متعلق اپنے ذہن میں اٹھنے والے بہت سے سوالات کا کوئی جواب نہ ملتا اور اس پر مستزاد یہ کہ جب عیسائیت کے نام لیواؤں میں مذہب نام کی کوئی چیز نظر نہ آتی تو میرے شکوک اور زیادہ پختہ ہوجاتے۔ بالآخر میں نے دیگر مذاہب، مثلاً: بُدھ مت اور ہندو مذہب کا مطالعہ کرنا شروع کردیا اور اس کے ساتھ ساتھ ان مذاہب کے لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا حتی کہ اسی جستجو میں سفر کرنا بھی شروع کیا مگر میرا دل کہیں اطمینان نہ پاسکا۔ یہاں تک میں نے اپنے یونیورسٹی کے ایک استاذ سے رابطہ کیا جو کہ تاریخ ادیان کے متخصص تھے اور اٹلی کے دارالحکومت روم میں مقیم تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ مجھے کون سا مذہب اختیار کرنا چاہیے کیونکہ میں سخت ذہنی انتشار کا شکار ہوں اور اب تک عیسائیت کے علاوہ دیگر مذاہب کا مطالعہ بھی کرچکا ہوں لیکن کہیں تسلی نہیں ہورہی۔

انھوں نے جواب دیا کہ آپ کو اپنے اصل مذہب کی طرف پلٹنا چاہیے (ان کا اشارہ کیتھولک عیسائیت کی طرف تھا) اور اس مقصد کے لیے انھوں نے مجھے ''راہبوں کی خانقاہ'' جانے کا اور ان کے ہاں سے مذہبی اور روحانی فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ میں نے ان کا مشورہ قبول کرتے ہوئے خانقاہ جانے کا ارادہ کرلیا اور یہ نیت لے کر وہاں پہنچا کہ اب زندگی اسی مشن کی نذر کردوں گا۔ مگر وہاں چند دن گزارنے کے بعد بہت مایوسی ہوئی اور اس مایوسی کی وجہ ان راہبوں کے قول وعمل نیز خانقاہ کے اندرونی اور بیرونی معاملات کے مابین کھلم کھلا تضاد تھا۔ مجھے ان لوگوں میں روحانیت نام کی کوئی چیز نظر نہ آئی جبکہ میں ان کے بارے میں نہایت مثبت سوچ لے کر آیا تھا۔ ان کا طرزِ زندگی بالکل دنیادارانہ اور مذہب کی حدود وقیود سے ماورا تھا، مثلاً: ان کا پرتعیش رہن سہن، ریستوران میں جاکر خنزیر کھانا اور شراب خانے میں جاکر شراب نوشی کرنا ان کے ہاں معمول کے کام تھے جو کہ میرے لیے سخت تعجب ہی نہیں بلکہ ان سے بیزاری کا باعث بھی بنتے گئے۔ اور اس سے بڑھ کر میرے لیے دُکھ کی بات یہ بھی ہے کہ اگر میں ان سے دریافت کرتا کہ خدا کا قرب کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے تو وہ ایک ہی جواب دیتا کہ ''بس ہر کسی سے محبت کرو اور کسی کو دکھ نہ دو'' یہ بات میرے لیے ناقابل سمجھ تھی کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہ ناممکن اور خلاف فطرت بات ہے۔

ضیائے حدیث: آپ نے اس خانقاہ میں کتنا لمبا عرصہ گزارا اور وہاں آپ کی مصروفیت کیا تھی؟

عبدالوہاب: میں وہاں صرف ایک ہفتہ ہی گزار سکا تھا۔ جہاں تک مصروفیت کا تعلق ہے تو وہ خانقاہ کی صفائی، مہمانوں کی مہمان نوازی اور دیگر ہلکے پھلکے کاموں کے علاوہ روحانی تربیت پر مشتمل تھی۔ روحانی تربیت کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ وہ مجھے اور دیگر تربیت پانے والوں کو علیحدہ علیحدہ کوٹھڑیوں میں رکھتے جہاں ایک بیڈ، الماری اور ایک مطالعہ کی میز ہوتی تھی۔ ہمارا زیادہ تر وقت اسی کوٹھڑی میں گزرتا تھا، جہاں انفرادی عبادت اور بائبل کا مطالعہ دو بنیادی کام تھے۔ مہمان ہونے کے ناطے ہم سے بہت زیادہ کام نہیں کروایا جاتا تھا۔

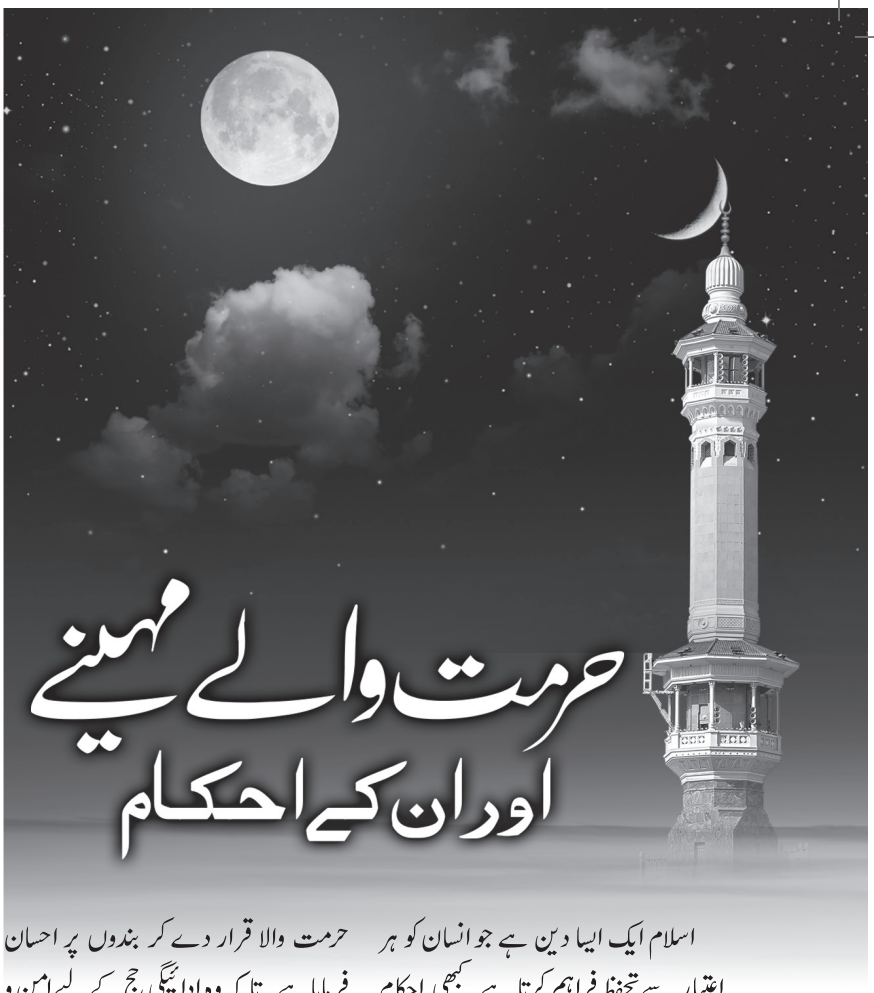
ضیائے حدیث: کیا آپ نے وہاں ٹھہرنے اور وہاں سے تربیت پانے کی کوئی اجرت بھی ادا کی تھی؟

عبدالوہاب: نہیں! وہاں رہائش اور کھانا پینا بالکل مفت دیا جاتا تھا بلکہ وہ آنے والوں کا بہت اچھے انداز سے خیر مقدم کرتے تھے کیونکہ بہت کم لوگوں کا رجحان ان خانقاہوں کی طرف ہوتا تھا۔

ضیائے حدیث: آپ کے ساتھ وہاں دیگر کتنے لوگ تھے؟

عبدالوہاب: تقریباً بیس لوگ تھے جو اس وقت تربیت کی غرض سے وہاں مقیم تھے۔

بقیہ صفحہ نمبر 61 پر



حرمت والے مہینے اور ان کے احکام

حافظ شبیر صدیق

اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسان کو ہر اعتبار سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔ کبھی احکام کے ذریعے اور کبھی ترغیب و ترہیب کے ذریعے، کبھی کسی جگہ کو امن والا قرار دے کر اور کبھی بعض اوقات کو حرمت کا رتبہ دے کر۔ اسلام کی تعلیمات ہمیشہ سے یہی ہیں اور رہیں گی کہ ایک انسان کو معاشرے کے اندر مکمل طور پر آزادی اور امن و امان کے ساتھ زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے۔

اسی لیے شریعت نے جہاں سال کے بارہ مہینوں میں ظلم و زیادتی کو حرام قرار دیا ہے وہیں بعض مہینوں کو حرمت والا قرار دے کر انسان کے مال و جان، عصمت و عفت اور عزت و آبرو کی حفاظت کا سامان مہیا کیا ہے۔ احمد مصطفیٰ المراغی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ایام حج سے پہلے اور بعد کے ایام کو حرمت والا قرار دے کر بندوں پر احسان فرمایا ہے۔ تاکہ وہ ادائیگی حج کے لیے امن و سکون اور بغیر کسی خوف کے سفر کر سکیں۔ مکہ کو پورا سال حرمت والا قرار دے کر حج اور عمرے کی ادائیگی کے لیے امن والا بنا دیا اور سال کے وسط میں رجب کے مہینے کو حرمت والا قرار دے کر عمرے کے لیے آنے والوں کے لیے آسانی پیدا فرما دی۔''

(تفسیر المراغی: 94/4)

ذیل میں ہم حرمت والے مہینوں کی شرعی حیثیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان مہینوں میں رائج غیر شرعی امور کی بھی وضاحت کریں گے۔

مہینوں کی حرمت اور تعداد

اللہ تبارک و تعالیٰ نے کلام مقدس میں مہینوں کی تعداد بیان کرتے ہوئے بعض مہینوں کو حرمت والا قرار دیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ''بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہی ہے۔ اللہ کی کتاب میں، جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔''

(التوبة 9:36)

گویا سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ ان مہینوں کی حرمت شروع وقت ہی سے ہے جب سے زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی ہے۔ بعض لاعلم لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ حرمت اسلام کے ظہور پذیر ہونے سے وجود میں آئی جبکہ یہ سوچ غلط ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اسلام نے کفار و مشرکین کے اس پروپیگنڈے کو بے نقاب کیا جو وہ اپنی مرضی سے حرمت والے مہینے قرار دے لیتے تھے۔

ان مہینوں کی یہ حرمت تمام مذاہب کے ہاں مسلّمہ ہے۔ وفد عبدالقیس نے صرف حرمت والے مہینوں میں نبی ﷺ کے پاس تحصیل علم کی خاطر آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے نبی ﷺ کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ کفار مضر ان کو صرف حرمت والے مہینوں میں اپنے علاقے سے گزرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ بصورت دیگر ڈاکا زنی ان کا معمول ہے۔ (صحیح البخاری: 87)

گویا کفار کے ہاں بھی ان مہینوں کی حرمت کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ

دورجاہلیت میں اگر کسی کے ہاں کوئی قتل ہوجاتا تو مقتول کے ورثاء حرمت والے مہینوں میں اس کا بدلہ نہیں لیتے تھے۔حتی کہ اگر کسی کے والد کو بھی قتل کر دیا جاتا تو وہ بھی حرمت والے مہینوں میں قاتلوں سے بدلہ لینے سے مکمل گریز کرتے تھے۔ اس کے مقابل اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ ہمارے ہاں ان مہینوں میں بھی قتل و غارت جاری رہتی ہے۔ ٹارگٹ کلنگ اور سیاسی قتل تو ہمارے ہاں معمول بن چکا ہے۔ ذرہ برابر بھی ان مہینوں کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے مہینوں میں یہ سب جائز ہے بلکہ انسان کی حرمت تو ان مہینوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ ہمارا مقصود صرف ان دونوں معاشروں کا تقابل کرنا ہے۔ ہم نے صرف یہ دیکھنا ہے کہ اہل جاہلیت ان مہینوں کی حرمت کا کتنا خیال رکھتے تھے اور آج ہم کہاں کھڑے ہیں؟

حرمت کی وجہ

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ان مہینوں کا نام حرمت والا ہونے کی دو وجہیں ذکر کی ہیں:

① ان مہینوں میں قتال کے ممنوع ہونے کی وجہ سے۔

② محارم کی پامالی کا جرم ان مہینوں کے اندر دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ ہے اور اسی طرح ان مہینوں میں نیکی کا اجر بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔(زاد المسیر: 3/432)

حرمت والے مہینے

شریعت نے چار مہینوں کو حرمت والا قرار دیا ہے جن میں ظلم و زیادتی کو خاص طور پر ممنوع قرار دیا ہے۔ ان چار مہینوں کی ترتیب حدیث میں مذکور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ، اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مُّتَوَالِيَاتٌ: ذُوالْقَعْدَةِ، وَذُوْالْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ، الَّذِي بَيْنَ جُمَادىٰ وَشَعْبَانَ» ''بے شک زمانہ اپنی اسی حالت میں پلٹ آیا ہے جس حالت میں اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، تین تو مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر ہے جو جمادیٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔'' (صحیح البخاری: 3197)

اسلام نے جہاں دیگر مہینوں میں ظلم و زیادتی کی روک تھام کے لیے قوانین وضع کیے ہیں وہیں ان چار مہینوں میں خصوصیت کے ساتھ ظلم و زیادتی اور معصیت و نافرمانی کے ارتکاب سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''تم ان مہینوں میں اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو۔'' (التوبۃ9:36) ان مہینوں میں ظلم و زیادتی سے بچنے کی خاص طور پر تلقین کا مقصد ان مہینوں کی حرمت کا پاس رکھنے کے لیے ہے جس طرح تمام نمازوں میں سے خاص طور پر عصر کی نماز کی محافظت کی تلقین فرمائی ہے۔ اس خصوصیت کا یہ معنی نہیں کہ باقی مہینوں میں ظلم کی گنجائش ہے جس طرح کہ اس جگہ عصر کی نماز کو ذکر کرنے سے یہ معنی نہیں نکلتا کہ دوسری نمازوں کی ادائیگی میں کسالت کا جواز ہے۔مشرکین ان مہینوں کو اپنی مرضی سے آگے پیچھے کر لیتے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد مہینے اسی ترتیب سے ہوں گے جس طرح کہ شروع وقت سے تھے۔

آیت میں مذکور لفظ ظلم کا معنی

حرمت والے مہینوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ اس میں ظلم سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں اکثر مفسرین نے جو وضاحت کی ہے وہ درج ذیل ہے: آیت میں ظلم سے مراد اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب اور اطاعت کو چھوڑنا ہے۔(تفسیر الطبری: 11/443، والمصباح المنیر تهذیب و تحقیق تفسیر ابن کثیر: 3/88)

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ''ظلم'' کی تفسیر میں چار اقوال ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے پہلا قول یہی ہے کہ ظلم سے مراد معصیت و نافرمانی ہے۔ (زاد المسیر: 3/434) امام طبری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے: ''ان چار مہینوں کو حرمت والا قرار دیا گیا ہے، ان میں گناہ کا ارتکاب کرنا بہت بڑا ظلم ہے اور عمل صالح کو بجا لانا بہت ثواب کا موجب ہے۔'' (تفسیر الطبری: 11/444) مذکورہ آیت کے تحت مفسرین نے ایک اور توضیح بھی نقل کی ہے کہ کفار و مشرکین اپنی ظالمانہ کارروائیوں کی تکمیل کے لیے حرمت والے مہینوں کو آگے پیچھے کر لیتے تھے، لہٰذا اس بات سے منع کر دیا گیا ہے۔

مذکورہ توضیحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خصوصاً حرمت والے مہینوں میں ظلم و زیادتی اور فسق و فجور کا ارتکاب بہت بڑی سزا کا موجب ہے۔ مگر قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ امت مسلمہ میں ان مہینوں کے ساتھ بہت ساری بدعات وخرافات کو جوڑ دیا گیا ہے اور اپنے ہی نفسوں پر ظلم اس قدر بڑھ چکا ہے کہ بہت سارے نام نہاد مسلمان محبت اور عقیدت کے نام پر اپنے ہی جسموں کو چھلنی کرتے نظر آتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اپنے اس عمل کو شریعت کا لبادہ اوڑھا کر عام سادہ لوح لوگوں کو پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کو اس عمل کے بجا لانے پر جنت کی خوشخبریاں سناتے ہیں جبکہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ درحقیقت یہ ایک ایسی سازش ہے جو دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں میں ایجاد کی ہے۔ چونکہ ان مہینوں کے حوالے سے بہت ساری بدعات و خرافات ہمارے معاشرے میں رائج ہو چکی ہیں اس لیے ہم بالترتیب ان مہینوں کے صحیح احکام اور ان سے جڑی بعض بدعات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ذوالقعدہ

وجہ تسمیہ: ذوالقعدہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ، امام سخاوی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اس کے معنی بیٹھ جانے کے ہیں اور اس مہینے میں عرب لڑائی جھگڑے اور سفر کرنے سے بیٹھ جاتے تھے۔''
(المصباح المنیر: 86/3)

احکام: ذوالقعدہ قمری مہینوں میں سے گیارہواں مہینہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جن مہینوں کو حرمت والا قرار دیا ہے ان میں سے یہ پہلا مہینہ ہے۔ اس کی وضاحت صحیح بخاری کی حدیث میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح اشھر الحج (حج والے مہینوں) میں سے یہ دوسرا مہینہ ہے۔(صحیح البخاري، قبل الحدیث: 1560)

ماہ ذوالقعدہ کی عظمت اور مقام جو احادیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ یہ حرمت والے مہینوں اور اشھر الحج میں سے ہے۔ اس کے علاوہ اس مہینے کے لیل و نہار میں سے بعض کی خاص فضیلت یا خاص طور پر اس مہینے میں بعض اعمال کے بجا لانے کا ذکر ہمیں ذخیرۂ حدیث سے نہیں ملتا۔ البتہ نبی ﷺ کے بارے میں احادیث میں جو ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے تمام عمرے (عمرۂ حج کے علاوہ) ذوالقعدہ کے مہینے میں کیے، ان کا ایک خاص سبب تھا۔ اور وہ سبب جاہلیت کے بت کو توڑنا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس مہینے میں عمرہ کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ مگر بعض مبتدعین کی طرف سے اس مہینے کی حرمت کے بسبب بعض اعمال ایجاد کر لیے گئے ہیں جو آج کل بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں۔ جبکہ شریعت میں ان اعمال کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ مثلاً خاص نمازوں کا اہتمام اور روزے وغیرہ۔

ذوالحجہ

وجہ تسمیہ: اس مہینے کو ذوالحجہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین اس مہینے میں حج کے لیے بیٹھ جاتے تھے۔(المصباح المنیر: 86/3)

احکام: ذوالحجہ اسلامی مہینوں میں سے بارھواں مہینہ ہے جو کہ ہجری سال کا آخر ہے۔ جن مہینوں کو حرمت والا قرار دیا گیا ان میں سے دوسرے نمبر پر ہے۔ اسی طرح اس کا شمار اشھر الحج میں ہوتا ہے۔ اشھر الحج میں یہ تیسرا مہینہ ہے۔ ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں کیے گئے عمل کو دیگر ایام کے عمل سے افضل کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهَا أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ» ''اللہ تعالیٰ کو کوئی نیک عمل کسی دن میں اس قدر پیارا نہیں جتنا کہ ان دنوں میں کیا گیا عمل محبوب اور پسندیدہ ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں سوائے اس شخص کے جو اپنی جان اور مال لے کر نکلا اور پھر کچھ واپس نہ لایا ہو (یعنی اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے۔)'' (سنن أبي داود: 2438)

اس مہینے میں بہت فضیلت اور مقام والی عبادات مشروع قرار دی گئی ہیں جن کو ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

تکبیرات: عشرہ ذوالحجہ میں تکبیرات کہنا ایک مسنون عمل ہے۔ ذوالحجہ کی پہلی تاریخ سے تیرہ تاریخ کو مغرب کی نماز تک تکبیرات کہنی چاہئیں جیسا کہ ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا عمل صحیح بخاری میں منقول ہے۔
(صحیح البخاری، قبل الحدیث: 969)

روزہ: ذوالحجہ کے پہلے نو دنوں میں روزوں کا اہتمام کرنا بھی بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے بارے

میں آتا ہے کہ آپ ﷺ ذوالحجہ کے پہلے نو دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔
(سنن أبي داود:2437)

حج: اس مہینے کا افضل ترین عمل حج ہے۔ یہ ہر اس شخص پر فرض ہے جو اس کی ادائیگی کی استطاعت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ ''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھے۔'' (اٰل عمران 3: 97) حج کی فضیلت پر قرآن و حدیث میں بہت سی نصوص منقول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ» ''جو شخص اللہ کے لیے حج کرے پھر کوئی گناہ کا کام نہ کرے تو وہ ایسا بے گناہ واپس ہوگا جیسے اسے آج ہی اس کی ماں نے جنم دیا ہے۔''
(صحيح البخاري: 1521)

یومِ عرفہ کا روزہ: ذوالحجہ کی 9 تاریخ کا روزہ رکھنا بہت زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔ اس سے ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف کیے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مجھے اللہ سے امید ہے کہ اس روزے کی وجہ سے ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف فرما دے گا۔'' (صحيح مسلم: 1162)

عید الاضحیٰ: شریعت نے مسلمانوں کے لیے اجتماعی طور پر جو خوشیاں مقرر کی ہیں وہ عیدین کے دو دن ہیں: ایک عید الفطر اور دوسرا عیدالاضحیٰ کا دن ہے۔ ان دونوں دنوں کی نماز کی ادائیگی کے لیے عیدگاہ جانے کی بڑی تاکید آئی ہے حتی کہ عورت کے ایام مخصوصہ آجانے کے باوجود بھی اسے عیدگاہ جانے کا حکم ہے۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمیں نبی ﷺ نے حکم دیا کہ دوشیزاؤں اور پردے والیوں کو عید گاہ لے جائیں اور حیض والی عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔ (صحيح البخاري: 974) عورتوں کو عیدگاہ میں جانے کا حکم دعا میں شریک ہونے کے لیے دیا تاکہ وہ بھی دعا میں شریک ہو کر اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائیاں مانگ سکیں۔

قربانی: دین اسلام میں قربانی کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ ''اور ہم نے ہر امت کے لیے ایک قربانی مقرر کی ہے۔''
(الحج 22:34)

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا» ''جس کے پاس (قربانی کرنے کی) وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔'' (سنن ابن ماجه:3123)

ضعیف اور موضوع روایات

ذوالحجہ کے پہلے عشرے کے جو صحیح اور مسنون اعمال ہیں ہم نے اختصار کے ساتھ ان کو بیان کر دیا ہے۔ البتہ ان دنوں کے حوالے سے بہت ساری ضعیف اور موضوع روایات بھی بیان کی جاتی ہیں جن کا حقیقت حال سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً: عشرہ ذوالحجہ کے دنوں میں سے ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کے برابر ہے۔ (سنن ابن ماجه: 1728) علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ (ضعيف سنن ابن ماجه: 1718)

یوم نحر کو آدمی کے اعمال میں سے اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل خون بہانا ہے، بلاشبہ قربانی کرنے والا روز قیامت قربانی کے سینگ، بال اور کھریاں لے کر حاضر ہوگا۔ اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی قبولیت کے مقام کو پہنچ جاتا ہے۔ پس تم قربانی سے دلی خوشی محسوس کیا کرو۔ (جامع الترمذی:1493) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔
(ضعيف سنن الترمذي:1493)

محرم

وجہ تسمیہ: اس مہینے کی وجہ تسمیہ کے بارے میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام سخاوی کا قول نقل کیا ہے کہ محرم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ حرمت والا مہینہ ہے لیکن میرے نزدیک اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے کی حرمت کی تاکید کے لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ عرب تبدیلی کرتے ہوئے اسے کبھی حلت والا اور کبھی حرمت والا مہینہ قرار دیتے تھے۔
(المصباح المنير:85/3)

احکام: محرم الحرام اسلامی مہینوں میں سے سال کا ابتدائی مہینہ اور حرمت والے مہینوں میں سے تیسرا مہینہ ہے۔ احادیث میں اس مہینے کو اللہ کا مہینہ کہا گیا ہے جو اس مہینے کے شرف، عزت اور عظمت کی دلیل ہے۔ (صحيح مسلم: 1163) جس قدر یہ مہینہ عظمت و رفعت کا حامل ہے اسی قدر اس مہینے میں

بدعات وخرافات کو رائج کر لیا گیا ہے۔ جن امور کا شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ان کو عبادت کا نام دے کر عام لوگوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو شریعت ہمیں ان امور کی بیخ کنی کرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ جن کو ہمارے معاشرے میں شریعت کا نام دیا جا رہا ہے، مثلاً: سبیلیں لگانا، جلوس، تعزیہ اور گھوڑا نکالنا، نوحہ و ماتم کرنا، واقعہ کربلا کو کفر و اسلام کے معرکے کا رنگ دے کر بیان کرنا، خصوصیت کے ساتھ اس مہینے قبرستان جانا، غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز، سیاہ لباس پہننا اور اس مہینے شادی کا پروگرام نہ کرنا وغیرہ۔

مسنون عمل: ماہ محرم میں جو مسنون عمل ہے وہ صرف روزہ ہے۔ اس کے علاوہ جتنے بھی امور شریعت سے ہٹ کر سرانجام دیے جاتے ہیں وہ بے فائدہ اور ایمان کے لیے ضرر رساں ہیں۔ روزے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''رمضان المبارک کے بعد افضل ترین روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔'' (صحیح مسلم: 1163)

یومِ عاشورہ کا روزہ: عاشورہ کے روزے کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مجھے اللہ سے امید ہے کہ اس روزے کی وجہ سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف فرما دے گا۔'' (صحیح مسلم: 1162)

ماہ محرم کی نسبت موضوع روایات

ماہ محرم اور خصوصاً عاشورہ کے دن کے حوالے سے بہت ساری روایات عوام الناس میں مشہور ہیں جبکہ حقیقت میں وہ تمام روایات ضعیف، موضوع اور من گھڑت ہیں۔ ان تمام روایات کو امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے ''الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک ہم بطور مثال پیش کرتے ہیں:

''جس نے عاشورہ کے دن اثمد سرمہ لگایا اس کی آنکھ کبھی نہیں دکھے گی۔'' (الموضوعات: 116/2)

''جو کوئی عاشورہ کے دن اپنے اہل و عیال پر فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر پورا سال فراخی کرے گا۔'' (الموضوعات: 113/2)

اس بارے میں مزید آگہی کے لیے امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی الموضوعات ملاحظہ فرمائیں۔

رجب

وجہ تسمیہ: رجب ترجیب سے ہے جس کے معنی تعظیم کے ہیں۔ (المصباح المنیر: 86/3)

کفار و مشرکین کا ایک قبیلہ مضر اس مہینے کی حرمت کا بہت لحاظ رکھتا تھا جس وجہ سے اس مہینے کو رجب مضر کہا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری: 87)

احکام: رجب اسلامی سن کا ساتواں مہینہ ہے اور اربعۃ حرم میں سے چوتھے نمبر پر ہے۔ ذخیرۂ حدیث میں ماہ رجب کی جو تعظیم و توقیر بیان ہوئی ہے وہ اس کا حرمت والا ہونا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں کسی خاص عبادت کو مشروع قرار نہیں دیا گیا۔ اور نہ ہی اس کے بعض ایام کو بعض ایام پر فوقیت دی گئی ہے جیسا کہ پہلے عشرہ ذوالحجہ کو ماہ ذوالحجہ کے دوسرے ایام پر فوقیت حاصل ہے۔

چونکہ یہ مہینہ حرمت والے مہینوں میں سے ہے اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس مہینے میں اللہ کی نافرمانی اور فسق و فجور سے بچنے اور اطاعت و فرمانبرداری کو لازم پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مبتدعین نے دیگر مہینوں کی طرح اس مہینے میں بھی بعض بدعات کو معاشرے میں رائج کر دیا تا کہ وہ ان کے ذریعے عوام الناس کو دین کے قریب کریں جبکہ حقیقت میں وہ بدعات ایمان و اسلام کی پختہ عمارت کی خستہ حالی کا سبب بنتی ہیں۔ ان بدعات کو شرعی جامہ پہنانے کے لیے بہت ساری روایات اپنی طرف سے گھڑ لی گئی ہیں جو عوام کالأنعام کو سنا کر ان بدعات کو سرانجام دینے کے لیے ابھارا جاتا ہے۔ ان موضوع اور من گھڑت روایات میں بیان کردہ امور میں سے بعض درج ذیل ہیں: اس مہینے میں خصوصاً روزے رکھنا اس نیت کے ساتھ کہ رجب کے ایک دن کے روزے کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ہے، اور اسی طرح روزوں سے متعلق بہت ساری من گھڑت روایات بیان کی جاتی ہیں۔ ماہِ رجب میں بعض خاص نمازوں کا اہتمام کرنا۔ مثلاً: صلاۃ الرغائب، رجب کی پہلی شب مغرب کے بعد بیس رکعت ادا کرنا اور رجب کی ستائیسویں شب بارہ رکعت ادا کرنا وغیرہ، رجب کے مہینے میں سب سے زیادہ کی جانے والی بدعت رجب کے کونڈے ہیں جو بائیس (22) رجب کو پکائے جاتے ہیں۔ یاد رہے رجب کی 22 تاریخ ہی کو ایک جلیل القدر صحابی سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی۔ گویا یہ کونڈے روافض کی ایک سازش ہے جو وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں سرانجام دیتے ہیں۔



ابوضرار ملک

فرقہ واریت کا ذمہ دار کون؟

درحقیقت فرقہ واریت کا زہر پچھلے 36 سالوں سے مشرق وسطیٰ میں پھیلایا جارہا ہے جو اب ایک ناسور کی طرح پھیل چکا ہے جو ناقابل علاج ہے۔ جس نے عالم اسلام کے اتحاد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ جو کبھی دہشت گردی کی آڑ میں، کبھی صلیبیوں کے مفادات کے حصول پر اور کبھی پڑوسی ملک کے مذہبی تعصب کی بناء پر ظاہر ہورہا ہے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جب سے (1979) سے پڑوسی ملک میں انتہا پسند مذہبی قیادت نے عنان حکومت سنبھالی ہے۔ مملکت اسلامیہ پاکستان میں فرقہ واریت اور مذہب کے نام پر قتل وغارت شروع ہوئی۔ حالانکہ اس سے قبل یہ ملک دنیائے اسلام میں امن کا گہوارہ مانا جاتا تھا۔ درحقیقت پڑوسی ملک کی مذہبی و سیاسی قیادت نہ صرف مملکت اسلامیہ پاکستان بلکہ خاص کر مشرق وسطیٰ میں بھی طاقت کے بل بوتے پر اپنے توسیع پسندانہ سیاسی اور نام نہاد مذہبی فکر کو مسلط کرنے کے درپے ہیں۔ جو سراسر اسلامی روح کے خلاف ہے۔ انتہائی مؤقر ترین ذرائع کے مطابق حال ہی میں ملاعمر کی وفات کی خبر کے بعد خطے کو غیر مستحکم کرنے کے لیے پڑوسی ملک، یہودی لابی، امریکہ اور بھارت کے ساتھ مل کر طالبان کے درمیان فتنہ پیدا کرکے ان کو تقسیم کرنے اور آپس میں لڑانے کی ناپاک سازشیں کررہا ہے۔

بحرین کی سلامتی اور بقاء کا مسئلہ ہو، شام کے نہتے اور بے گناہ مسلمانوں کا مسئلہ ہو یا پھر یمن کے پرامن اہل توحید کا مسئلہ ہو، فہم و فراست سے عاری ہماری حکومت، پڑوسی ملک کی انتہا پسند مذہبی وعسکری قیادت کے سامنے جھکی جارہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ مذہبی متعصب قیادت خطے میں اپنا سیاسی اثر ورسوخ بڑھانے اور نام نہاد مذہبی فکر کو مسلط کرنے کے لیے ایک بڑی جنگ کی تیاریاں کر رہی ہے۔ وہ جنگ جو قطعی طور پر فرقے کی بنیاد پر لڑی جارہی ہے۔ ایرانی تمن پر پلنے والے ایسے مدرسوں کی تعداد میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہورہا ہے جو عدم رواداری کو خاموشی سے فروغ دے رہے ہیں جبکہ حکومت وقت ان کے سامنے بالکل بے بس دکھائی دے رہی ہے۔

پاکستان کے سلامتی کے اداروں کو اس حقیقت کا اچھے طریقے سے ادراک کرلینا چاہیے کہ مذہبیت کے خفیہ فرقہ وارانہ گروپس جنھیں ایک پڑوسی ملک کی مکمل سپورٹ حاصل ہے ملک کو درپیش کسی بھی دوسرے چیلنج سے زیادہ خطرناک ہیں جو ملک کے بنیادی اسلامی ڈھانچے اور ملی یکجہتی کو کھوکھلا کررہے ہیں۔ اور ان کے مہلک اثرات اب محلوں، کالجوں، سول سوسائٹیز حتیٰ کہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر بھی ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ اور تو اور ان کے پس پردہ سرغنے اب ملک کی داخلی اور خاص کر خارجی پالیسیوں پر بھی منفی انداز میں اثر انداز ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ جس سے ملک کی سلامتی کے لیے خطرات بڑھتے جارہے ہیں۔

وقت یہ آگیا ہے کہ ایران خود کو اسلام اور مسلمانوں کی بجائے، شیعہ برادریوں کے حقوق کا چیمپئن اور



انتہاپسند افکار کے انقلاب کا داعی سمجھتا ہے۔

پاکستان کے ارباب اختیار کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ ایران، شام، عراق اور حزب اللہ پر مشتمل جو مخصوص فکر کا اتحاد معرض وجود میں آیا ہے اس میں کہیں بھی پاکستان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ پاکستان کو ہر صورت میں عرب اتحاد میں شامل ہونا ہو گا کیونکہ پس پردہ دشمن اپنے زرخریدوں کے ذریعے مملکت اسلامیہ پاکستان کو تنہا کرنے کی پالیسی پر تیزی کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ اور پاکستان کو فرقہ واریت کی جنگ کا خوف دلا کر اس کے گرد گھیرا تنگ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر پاکستان اس اتحاد میں شامل نہ ہوا تو آہستہ آہستہ پاکستان اپنے انتہائی مخلص دوستوں سے بھی محروم ہو جائے گا۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ آج تک پورے عالم اسلام میں کسی بھی دینی و سیاسی شخصیت یا پھر عسکری قائدین میں سے کسی نے بھی پڑوسی ملک سے یہ جاننے یا پھر پوچھنے کی جسارت نہیں کی کہ وہ پچھلے 20 سالوں سے بحرین، لبنان، عراق، شام، افغانستان، بلوچستان اور اب یمن میں مذہب کے نام پر اتنا فتنہ وشر کیوں پھیلا رہا ہے اور فساد فی الارض کے بھیانک جرائم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں لاکھوں بے گناہ اور نہتے مسلمان موت کی آغوش میں چلے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ افغانستان، ایران اور شام میں بسنے والے ہزارہ کمیونٹی کے سادہ لوگوں کو اپنی مذہبی دہشت گردی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ جس نے پاکستان میں نہ ختم ہونے والی فرقہ وارانہ جنگ کو جنم دیا۔

جی ہاں، مملکت اسلامیہ پاکستان میں ہزارہ لوگوں پر ہونے والے حملوں کے دوران میں یہ کسی نے بھی سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ آخر ہزارہ کمیونٹی پر ہی حملے کیوں ہوتے ہیں؟ کیونکہ اس سے قبل اس کمیونٹی پر اس قسم کے حملے کبھی بھی نہیں ہوئے۔ درحقیقت پڑوسی ملک کے چند شدت پسند ملاؤں کی ہوس مذہبی فکر نے آج اس کمیونٹی کو شام میں اہل اسلام کے خلاف استعمال کر کے تختہ مشق پر لٹکا دیا ہے ''لیوا فاطمیون'' نامی تنظیم جو افغان ہزارہ کمیونٹی کے بے روزگار اور جرائم پیشہ افراد پر مشتمل ہے جن کو پڑوسی ملک کے پاسداران نے ترتیب دیا اور انھی کی طرف سے ہر رکن کو ماہانہ 600 ڈالر تک تنخواہ دی جاتی ہے۔ جن کو مزارات کے تحفظ کے نام پر مذہبی دہشت گردی کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے، سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ پر اس کی مکمل تفصیلات موجود ہیں۔ حتیٰ کہ پڑوسی ملک نے عراق اور شام میں اپنے توسیع پسندانہ مذہبی عزائم کی تکمیل کے لیے 20 سے زائد اعلیٰ عسکری ذمہ داروں کو بھی مروا دیا۔ محبّ وطن پاکستانیوں کے لیے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ پڑوسی ملک کی توسیع پسندانہ سوچ رکھنے والی ملٹری و مذہبی قیادت نے اہل پاکستان کو بھی نہ بخشا۔ گیارہ اپریل کو ایرانی میڈیا اور عالمی پریس میں سات پاکستانیوں کے جنازوں کی خبر بھی شائع ہوئی جو سفاک بشار کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے اور جن کا جنازہ قم میں پڑھایا گیا۔

خیال رہے کہ اس وقت عراق، شام، بحرین اور اب یمن میں ایران کے کئی ایک ایسے لے پالک مسلح جتھے لڑ رہے ہیں، جن میں بڑی تعداد افغانی، پاکستانی اور دوسرے ممالک کے مسلح انتہا پسندوں کی ہے۔ عرب ذرائع ابلاغ میں چھپنے والے ایران میں مقیم ہزارہ قبائل سے تعلق رکھنے والے ایک افغان مہاجر پناہ گزین جنگجو کا انٹرویو جو اس نے فارسی زبان میں شائع ہونے والے اخبار ''کیہان لندن'' کو دیا تھا۔ انٹرویو کے دوران افغان جنگجو نے شام کی جنگ میں حصہ لینے کے تین اہم محرکات بیان کیے۔ ① شام کی جنگ میں حصہ لینے کے عوض انھیں 530 سے لے کر 700 امریکی ڈالر ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے اور بعض اوقات اجرت اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ ② ایران میں اپنی بقاء کے لیے بھی اس جنگ میں حصہ لینے پر ہمیں مجبور کیا جاتا ہے کیونکہ جنگ سے انکار پر ہمیں خاندان سمیت ایران سے نکالا جا سکتا ہے جس کا خوف ہمیں ہر وقت رہتا ہے۔ ③ ہمارے آئمہ کرام پورے ایران میں یہ باور کراتے ہیں کہ یہ ایک مذہبی فریضہ ہے جو ''تکفیری انتہا پسندوں'' کی سرکوبی کے لیے اور شام و عراق میں موجود مقدس مقامات کے دفاع کے لیے سرانجام دینا ہے اور جو جہاد کے برابر ہے۔ اپنے انٹرویو کے دوران افغان جنگجو نے مزید انکشافات کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے اجرتی قاتلوں کا کام لیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں صرف افغان جنگجو ہی نہیں بلکہ پچھلے تین سال سے لبنانی اور پاکستانی اجرتی قاتل بھی ''فاطمیون بریگیڈ'' میں شامل ہو کر شامی



عوام کا قتل عام کر رہے ہیں۔ اسی طرح 24 اپریل کو شام کے علاقے درعا گورنری سے گرفتار ہونے والے افغان جنگجو کو جب گرفتار کیا گیا تو اس نے دوران حراست ہوشربا انکشاف کیا ہے کہ پاسداران انقلاب ایران کی مدد سے میرے سمیت 600 افغانی شمال مشرقی درعا کے راستے شام میں داخل ہوئے تھے۔ دراصل ایران فرقہ واریت کی آڑ میں ایک جانب ان مجبور نوجوانوں کا مذہبی استحصال کر رہا ہے۔ تو دوسری جانب مشرق وسطیٰ کو خون مسلم سے بھی رنگین کر رہا ہے۔ خود ایران کا ریاستی میڈیا بھی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ شیعہ افغان لڑکے رضا کارانہ طور پر شام جا رہے ہیں۔

عرب ذرائع ابلاغ کے مطابق ایرانی پاسداران انقلاب کے سربراہ میجر جنرل علی جعفری نے تہران میں فوج میں بھرتی ہونے والے نئے کیڈٹس کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یمن کے شیعہ حوثی ملیشیا، ایران کی پیداوار ہیں۔ یمن میں حوثیوں کی کارروائی ایرانی انقلاب کی ایک نئی فتح ہے۔

کیا یہ حیرت کا مقام نہیں کہ جب اہل پاکستان حرمین شریفین کے تحفظ کی بات کریں اور اس سلسلے میں برملا سعودیہ کا ساتھ دینے کا اعلان کریں تو پاکستان کے اندر ایک انتہائی متعصب مخصوص فکر کی لابی اور دین بیزار سیکولر طبقہ واویلا شروع کر دیتا ہے کہ فرقہ واریت کو فروغ دیا جا رہا ہے جس سے پاکستان تباہی کے دہانے پر اور بلوچستان الگ ہو سکتا ہے، یعنی براہ راست بلیک میل کیا جاتا ہے۔ تاکہ پورے پاکستان سے کوئی بھی ارض التوحید کی مدد کو نہ پہنچے۔ راقم کی رائے میں اب وقت آ گیا ہے کہ اس معاملے کو انتہائی سنجیدگی سے لیا جائے اور اگر سعودیہ حکومت نہ بھی مانے تو زبردستی وہاں مجاہدین بھیجے جائیں۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر دشمن کے اس پراپیگنڈے کا جارحانہ توڑ کیا جائے۔

مشرق وسطیٰ کے پرامن ممالک میں جب ایران کی ننگی جارحیت کی مکروہ شکل دنیا کے سامنے آئی تو اپنی اس خفت کو مٹانے اور اخلاقی جواز پیدا کرنے کے لیے جولائی میں ایران کی مجلس شوریٰ نے شہریت سے متعلق آئین کے آرٹیکل 980 میں ترمیم کرتے ہوئے ایسے غیر ایرانی باشندوں کو ایران کی شہریت دینے کی سفارش کی گئی ہے جو دنیا میں ایرانی توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل اور فکر شیعیت کو پھیلانے میں اور ایرانی مفادات کی خاطر proxy war اور sectrian war میں حصہ لیں۔

لبنانی شیعہ مسلح شدت پسند گروپ حزب اللہ کے ڈپٹی چیف شیخ نعیم قاسم نے AP کو انٹرویو کے دوران میں سعودیہ عربیہ کو براہ راست دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ وہ یمن میں مداخلت کر کے اسٹرٹیجک غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے اور اس مداخلت کی اس کو بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ شیخ نعیم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ شام کی خانہ جنگی میں حزب اللہ جنگجوؤں کی شمولیت درحقیقت لبنان کو اسلام پسندوں سے بچانا ہے۔

ایرانی پاسداران انقلاب کے ڈپٹی چیف جنرل، حسین سلامی نے دعویٰ کیا ہے کہ حوثی باغیوں کے پاس تمام سعودی شہروں تک مار کرنے والے میزائل موجود ہیں۔ مبصرین نے ان کے اس بیان کو بالواسطہ طور پر سعودی عرب پر حملوں کی ترغیب قرار دیا ہے۔

بیروت میں فنانشل ٹائمز سے ملاقات کرنے والے باغی حوثیوں کے ایک افسر نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ ہمارے حزب اللہ کے ساتھ تعلقات ایک دہائی سے استوار ہیں۔ ہم تجربے اور نظریات کا تبادلہ کرتے ہیں۔ دہشت گرد باغی حوثیوں کا TV چینل ''المسیرا'' لبنان کے جنوبی علاقے میں واقع ہے جہاں حزب اللہ کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ (جنگ 5 مئی)

ایران کی سیاسی قیادت بھی فرقہ واریت کے حوالے سے اپنے ذہنوں یا سوچوں میں کس حد تک بغض و عناد رکھتی ہے مندرجہ ذیل واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایران کے صدر حسن روحانی نے ماہ اگست میں جب کردستی اکثریتی صوبے کردستان کا دورہ کیا تو غیر متوقع طور پر ایک صحافی نے سوال کر دیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ایران میں یہودی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو سکتے ہیں مگر کوئی سنی مسلمان وزیر یا کسی صوبے کا گورنر کیوں نہیں بن سکتا؟ عرب ذرائع ابلاغ کے مطابق محترم صدر حسن روحانی اس غیر متوقع سوال پر بوکھلا گے۔ انھوں نے کرد صحافی کے سوال کا جواب تو نہیں دیا کہ ایران میں کوئی سنی وزیر یا کسی صوبے کا گورنر کیوں نہیں بن سکتا؟ تاہم انھوں نے سوال کرنے والے صحافی کو ڈانٹ ضرور پلائی اور کہا کہ آپ کا سوال ایسا

عالمی منظرنامہ

ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں۔

خیال رہے کہ ایران میں اہل سنت مسلمانوں کی تعداد 20 سے 25 فیصد کے درمیان ہے۔ بلوچستان سیستان، ساحلی چولستان اور کردستان میں اہل سنت اکثریت میں جبکہ اھواز اور خراسان میں اقلیت کی شکل میں موجود ہیں۔ اس کے باوجود ایرانی تجزیہ نگار جلال جلالی زادہ کا کہنا ہے کہ ایرانی وزارت خارجہ میں ایک بھی سنی مسلمان اعلیٰ عہدے پر فائز نہیں اور نہ ہی کوئی سنی سفیر موجود ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایرانی کابینہ میں صرف ایک شخص معاون وزیر عماد حسینی سنی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ پچھلے چھتیس سال میں ایران میں کسی مسلمان کو وزارت کا قلم دان نہیں سونپا گیا۔ حتیٰ کہ 29 جولائی کو علی الصباح ایک کارروائی میں ایرانی پولیس اور بلدیہ اہلکاروں نے تہران کے علاقے (بونک) کے مقام پر واقع اہل سنت کی واحد جامع مسجد بھی شہید کر دی تھی، اور اب دارالحکومت تہران میں اہل سنت و جماعت کی کوئی جامع مسجد نہیں ہے۔ یہ مسجد ماضی میں بھی ایرانی متعصب مذہبی قیادت کی انتقامی کارروائیوں کا سامنا کرتی رہی ہے اور متعدد بار اس شہید مسجد میں مسلمانوں پر نماز ادا کرنے پر پابندی بھی عائد کی جاتی رہی ہے۔

اس فرقہ وارانہ دہشت گردی پر ایران کی ایک بڑی جلاوطن سیاسی پارٹی (مجاہدین خلق) کی سینئر رہنما محترمہ مریم رجوری کا کہنا ہے کہ ایران میں شیعہ ملا اپنی جابرانہ اور ظالمانہ

بقیہ صفحہ نمبر 75 پر



ابوعبداللہ
Sh.Siddiq7@Gmail.com

ضیائے حدیث
کوئز پروگرام

ماہِ اگست کے درست جوابات

① حج والے مہینے تین ہیں: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔
② رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے مسنون ہیں۔
③ پاکستان 14 اگست کو آزاد ہوا، اس دن اسلامی تاریخ 27 رمضان تھی۔
④ پاکستان 28 مئی 1998ء کو ایٹمی قوت بنا۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ تک فری رسالہ پانے والوں کے نام

علوینہ ریحان (اسلام آباد) عائشہ صدیقہ (خانیوال) محمد اسلم ناصر (راجن پور) حافظ سلمان (سیالکوٹ) ضیاء الرحمٰن (قصور) خیر البریہ (نارووال) ساجد الرحمٰن (وار برٹن)

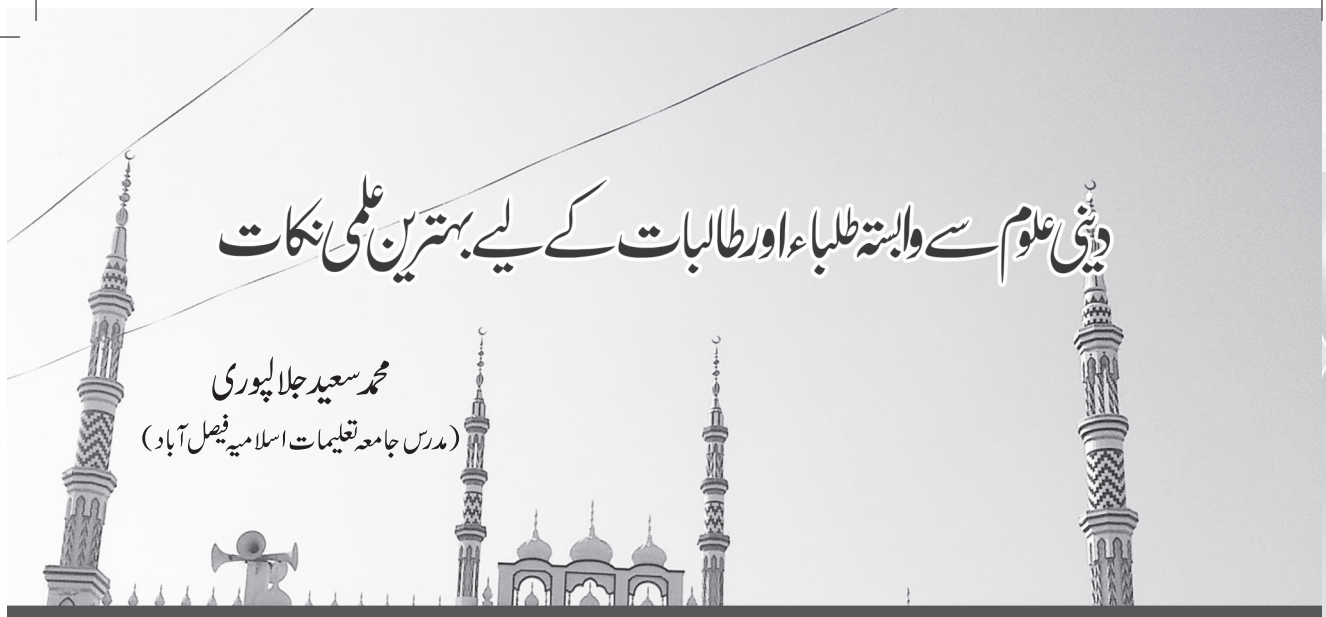
عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① لوگ پیادہ بھی آئیں گے اور ضامر پر بھی آئیں گے۔
② ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے۔
③ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔
④ پھر ہم نے اسے ایک مضبوط ٹھکانے میں رکھا۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① ابراہیم علیہ السلام کو کیا کہا جاتا ہے؟
② حج کب فرض ہوا؟
③ قربانی کی اہمیت پر آیت یا حدیث لکھیں؟
④ قادیانیوں کو غیر مسلم کب قرار دیا گیا؟

نوٹ: جوابات کا 15 تاریخ تک دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' پہنچنا ضروری ہے۔



دینی علوم سے وابستہ طلباء اور طالبات کے لیے بہترین علمی نکات

محمد سعید جلالپوری
(مدرس جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد)

دارالحدیث محمدیہ جلالپور میں گزرے شب و روز کے تاثرات اور اساتذہ کرام کی شفقتوں کا تذکرہ

کوچہ مہرباں میں

جلالپور پیروالہ ملتان کی ایک قدیم ترین تحصیل ہے۔ ماضی میں اس کی شہرت کا باعث کاغذ سازی کی صنعت اور دیوار جلالپور (سیلاب سے حفاظت کے لیے شہر کے ارد گرد تعمیر کیا جانے والا طویل بند) تھی تو عہد حاضر میں اس کی شہرت دارالحدیث محمدیہ نامی ایک قدیمی دینی و علمی ادارہ ہے جو اس شہر کے قلب میں واقع ہے۔ اس ادارہ نے سیکڑوں ہزاروں ملکی و غیرملکی تشنگان علم کی پیاس بجھانے کا سامان پیدا کیا ہے۔ راقم الحروف کا شمار بھی اس ادارے کے فیض یافتگان میں ہوتا ہے۔ ماضی قریب ہی میں چند ضروری کاموں کے سلسلہ میں اپنے آبائی تاریخی و علمی شہر میں جانا ہوا تو موقع کو غنیمت جانتے ہوئے تحصیل علم کے شوق نے ایک مرتبہ پھر انگڑائی لی کہ کیوں نہ مادر علمی میں جاکر ایک مرتبہ پھر اپنے محسنین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا جائے۔ چنانچہ اس شوق کی تکمیل کے لیے اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت چرا کر ان اہل علم کی محبت میں گزارا جس پر اس خاکی وجود کا انگ انگ اور روں روں بے حد مسرور اور شاداں ہے۔ دل نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے محدث جلالپوری مولانا سلطان محمود رحمہ اللہ کے صحیح علمی جانشین اور ان کی مسند کے امین شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق اثری کی خدمت میں حاضر ہوا جائے۔ چنانچہ جب شیخ کے حلقہ درس میں پہنچا تو صحیح بخاری کی تدریس جاری تھی۔ طلبہ شیخ کے گرداگرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ ایک نوجوان طالب علم صحیح بخاری کی حدیث پڑھتا تھا، بعدازاں شیخ صاحب حدیث کا ترجمہ وتشریح فرماتے اور بعض ضروری مقامات پر سیر حاصل گفتگو بھی فرماتے۔ بخاری کے باب جمع القرآن کی احادیث میں ہے: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جمع قرآن کے

دوران دو آیات صرف دو صحابیوں کے پاس ملیں: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ.....﴾ ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس اور ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا.....﴾ خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس۔ اس پر شیخ صاحب نے فرمایا کہ منکرین حدیث اس سے ایک شبہ پیدا کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے لیے تو تواتر ضروری ہے۔ اگر ان روایات کو مان لیا جائے تو یہ دو آیات تو غیر متواتر ہوئیں اور یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا حدیثی ذخیرہ ناقابل اعتبار ہے۔ مگر ان کا یہ شبہ درست نہیں ہے کیونکہ اول الذکر آیت سے باخبر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی اور مؤخر الذکر آیت کا علم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بھی تھا اور خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بھی جن کی اکیلی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو کی شہادت کے مساوی قرار دیا ہے۔ بعدازاں یہ آیات دیگر صحابہ نے بھی سنیں مگر کسی نے کوئی انکار نہیں کیا تو اس اعتبار سے یہ اجماع سکوتی ہوا۔ تو یہ لوگ عدم تواتر کی بات کرتے ہیں جبکہ یہاں تو صحابہ کا اجماع بھی ثابت ہے۔ اس لیے یہ اعتراض ناقابل التفات ہے۔

بخاری کی انھی روایات میں ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف الامام کی کتابت ونقول کے بعد باقی مصاحف کے متعلق فرمایا: ''ان یحرق'' شیخ صاحب نے فرمایا اس کو دو طرح پڑھا گیا ہے ''یحرق'' (جلا دیا جائے) ''یخرق'' (پھاڑ دیا جائے)۔ آگے نکتہ کی بات یہ بتائی کہ علوم القرآن پر لکھی جانے والی کتابوں میں ہے کہ احراق سے قبل قرآنی الفاظ کو دھویا گیا تھا۔ گویا اب احراق یا اخراق قرآن مجید کا نہیں ہوا بلکہ ان خالی اوراق کا ہوا ہے جن پر قرآن مجید تحریر تھا۔ دوران تدریس شیخ صاحب کی اخلاقی جرأت اور کھلے پن کا ایک منظر بھی دیکھنے میں آیا کہ حدیث «اُنْزِلَ الْقُرآنُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ» پر مفصل بحث کے بعد فرمایا: اب رہ گئی بات سبعہ عشرہ قراءت کی حقیقت کے حوالے سے تو گزارش یہ ہے کہ اس حوالے سے میں کچھ نہیں جانتا، اس فن کے ماہرین سے آپ پوچھ سکتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس سچائی اور حق گوئی نے کم از کم بندہ عاصی کے دل میں ان کی عقیدت ومحبت میں اور اضافہ کر دیا کہ ایسا دور کہ جس میں ''انا ولا غیری'' کا طرہ بلند کرنے والوں کی کثرت ہو اور ''ہم چو ما دیگرے نیست'' کی کلغی سجانے والوں کا انبوہ ہو اور شیخ الکل فی الکل کا ہر ایک مدعی ہو وہاں کچھ ایسے درویش صفت لوگ بھی موجود ہیں جو اپنے منصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے سامعین کو نہ صرف معلوم سے باخبر کرتے ہیں بلکہ مجہول کی بے خبری سے بھی باخبر کرتے ہیں۔ مالک لایزال ان کے علم وعرفان میں اضافہ فرمائے اور تادیر ان کا سایہ شفقت ہم جیسے کم علموں اور کوتاہ فہموں پر قائم رکھے، ہمارے شیخ کا انداز تدریس بھی نرالا ہے۔ احادیث کا سلیس اور رواں ترجمہ کرتے ہیں، بالخصوص حدیث میں پیش آمدہ مسائل و ابحاث پر صرف قدیم وجدید علماء وفقہاء کی آراء ہی پیش نہیں کرتے بلکہ ان سے متعلقہ مواد پر ایک دو نہیں متعدد کتابوں خواہ وہ عربی میں ہوں یا اردو میں ان کی راہنمائی بھی ضرور کرتے ہیں۔ پھر صرف کتابیں ہی نہیں بلکہ ان کے مصنفین کا تعارف اور ان کی دیگر مشہور و معروف کتابوں کا تعارف کرائے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھتے۔ یہ چیز جہاں حضرت شیخ صاحب کے کثرت مطالعہ اور وسعت علمی کی دلیل ہے وہاں اس بات پر بھی دال ہے کہ شیخ صاحب طلبہ کو درسیات کے کنویں کا مینڈک نہیں بنانا چاہتے بلکہ یہ بھی بتلانا چاہتے ہیں کہ

ع ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

اگلے روز محدث جلالپوری (مولانا سلطان محمود) اور متذکرہ بالا شیخ کے مشترکہ شاگرد اپنے مربی ومشفق استاد مولانا عبدالرشید ریاستی کی خدمت میں شرف باریابی کا اعزاز حاصل ہوا۔ صحیح مسلم کی کتاب البیوع کا درس جاری تھا۔ یہاں بھی طلبہ شیخ کے اردگرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ ذہن نے ماضی کے دریچوں میں جھانکا تو نظر آیا ہم بھی کبھی خوش دل اور ہر دلعزیز ساتھیوں کے ہمراہ اس چشمہ صافی سے پیاس بجھاتے تھے۔ وہی پھٹیاں، وہی قالین، وہی شیخ کے اردگرد کتابوں اور منتشر اوراق کا انبوہ، گویا کہ مے خانہ بھی وہی ساقی بھی وہی اور جام بھی وہی تھا۔ اگر کچھ بدلا تھا تو وہ صرف یہی کہ ساقی کے جام سے مخمور ہونے والے۔ کل ہم تھے اور آج کوئی اور ہیں۔ طالب علم نے حدیث پڑھی: «نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ» تو استاد محترم نے فرمایا یہ نہی مطلق نہیں ہے بلکہ احتکار (ذخیرہ اندوزی)



کے ساتھ مقید ہے۔ اگر احتکار نہ ہو تو «اَلدِّینُ النَّصِیحَۃُ» کے تحت شہری بدوی کا سامان فروخت کرسکتا ہے۔ صحیح مسلم کے درسی نسخہ (7/2) پر ایک سند ہے: «حدثنا ابوالربیع وابو کامل قالا حدثنا حماد وھو ابن زید» استاد محترم نے طلبہ سے پوچھا: «وھو ابن زید» کس کا مقولہ ہے؟ کچھ طلبہ تو خاموش رہے اور کچھ نے کہا: یہ حماد کے شاگردوں کا مقولہ ہے۔ شیخ محترم نے معمولی خفگی کا اظہار بھی کیا اور فرمایا: یہ امام مسلم رحمہ اللہ کا مقولہ ہے۔ امام صاحب حماد بن زید بھی کہہ سکتے تھے مگر «حماد وھو ابن زید» کہا۔ اس سے ایک تو راوی کا تعارف ہوگیا اور دوسرا یہ کہ شیخ کے بیان کردہ الفاظ پر زیادتی بھی نہ ہوئی کیونکہ شیخ نے صرف ''حماد'' کا نام لیا تھا ان کے والد کا نہیں۔ استاد محترم کا طرز تدریس جلال و جمال کا حسین امتزاج ہے۔ کبھی طالب علم کی غلطی پر سرائیکی زبان میں اس قدر شیریں نشتر لگاتے ہیں کہ محفل کشت زعفران بن جاتی ہے۔ اور تو اور خود مخطی (غلطی کرنے والا) بھی اس سے محظوظ ہوتا ہے اور کبھی وہ جلالی انداز اختیار کرتے ہیں کہ خطا کار کم از کم 24 گھنٹے سے پہلے اس کے اثرات سے باہر نہیں آسکتا۔ لیکن اس کے باوجود طلبہ پر بے حد رحیم و کریم ہیں۔ بالخصوص سبق کی تفہیم کے حوالے سے تو اس قدر حساس ہیں کہ جب تک یقین نہ ہوجائے کہ سبھی طلبہ بات سمجھ چکے ہیں ایک سطر بھی آگے نہیں بڑھتے۔ اس حساسیت کی وجہ سے تفہیم میں تکرار آپ کی عادت ثانیہ بن چکی ہے اور بعض اوقات تو بڑی دلچسپ صورت حال بن جاتی ہے۔ سمجھانے کے بعد سرائیکی میں فرماتے ہیں: ''کم بڑے کے ناں'' (کام بنا ہے یا نہیں؟) طلبہ کی طرف سے جواب ملتا ہے: ''کم بنڑ گئے'' (کام بن گیا ہے) مگر چونکہ شیخ مطمئن نہیں ہوتے کہ طلبہ کو بات سمجھ آگئی ہے اس لیے فرماتے ہیں: ''تہاڈا کم بنڑ گئے پر میڈا نئیں بنڑا'' (تمھارا کام بن گیا ہے لیکن میرا کام نہیں بنا) یہ کہہ کر پھر دوبارہ سمجھانا شروع کردیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی حیات مستعار میں برکت ڈالے۔ اس قبیل کے لوگ اب تھوڑے ہی رہ گئے ہیں۔ اب تو صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ بات ایک دفعہ سمجھاؤ سمجھ آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ جائیں بھاڑ میں۔ باتیں تو بہت ہیں طوالت نویسی کی تلوار بھی لٹک رہی ہے۔ آگے چلتے ہیں حضرت الاستاذ کے کمرے سے نکلتے ہی اگر آپ ناک کی سیدھ چلیں تو یہاں ایک اور ہمارے محسن فروکش ہیں۔ یہ ہیں استاذی المکرّم شیخ محمد انس سلفی صاحب جن کی بڑے بیٹے کے نام پر کنیت ہے ابوداؤد۔ اور ایک عرصہ سے آپ پڑھا رہے ہیں سنن ابی داؤد۔ یہ استاد مکرم نہایت ہی سادہ اور کم گو ہیں۔ قدیم تلامذہ کو نہایت پر تپاک انداز سے ملتے ہیں۔ چائے نوش بھی ہیں اور چائے نواش بھی ہیں۔ درسیات کی تدریس میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ تنہائی پسند ہیں۔ مطالعہ کے وقت ان کا انہماک قابل تقلید ہوتا ہے۔ دیہاتی پس منظر رکھنے کے باوجود اردو اس قدر صاف و شفاف بولتے ہیں کہ اردو میں جنم لینے والوں کو بھی پیچھے چھوڑتے ہیں۔ دوران تدریس لفظی ترجمہ کے ساتھ ساتھ ضمیروں کے مراجع پر بھی بہت زور دیتے ہیں۔ الفاظ اور جملوں کی صرفی و نحوی تحلیل تو آپ پر بس ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شیخ جب ہمیں گلستان سعدی پڑھاتے تھے وہاں بھی بتاتے تھے: یہ مبتدا ہے، یہ خبر ہے، یہ موصوف صفت ہے تو یہ مضاف اور مضاف الیہ ہے۔ طبیعت میں جمال ہی جمال ہے۔ سال میں ایک دو مرتبہ جلال آتا ہے اور جب آتا ہے تو..... کچھ نہیں کچھ نہیں، نہ جانے کیوں قلم مرتعش ہورہا ہے۔ شیخ مکرم تدریس کے ساتھ ساتھ تالیفی ذوق بھی رکھتے ہیں۔ تھوڑا لکھا ہے مگر خوب لکھا ہے اور لکھا بھی تاریخی اور منفرد نوعیت کا ہے۔ آپ کی تصنیف لطیف کا نام ہے منة المتعال الوالی فی معرفة النازل والعوالی۔ جس میں کتب ستہ اور مؤطا امام مالک کی عالی اور نازل احادیث کو مع تشریح جمع کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ پڑھتے ہوئے قاری نہ صرف انتہائی محظوظ ہوتا ہے بلکہ حیرت و استعجاب کی وادیوں میں گم ہوجاتا ہے کہ بعض احادیث کے راویوں کے درمیان فاصلے اس قدر سمٹ جاتے ہیں کہ صاحب کتاب تین چار واسطوں سے ہی نبی ﷺ تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی فاصلے اس قدر طویل ہوجاتے ہیں کہ مصنف دس دس واسطوں کے بعد نبی ﷺ تک پہنچ پاتا ہے۔ دوریاں یہ محدثین کی امانت و دیانت کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے کہ جتنے واسطوں سے حدیث ملی بغیر کسی تھکاوٹ و

بوریت کے سبھی کا نام لیا جبکہ اپنی صورت حال تو یہ ہے کہ اگر دو چار راویوں کے نام پڑھ لیے جائیں تو محفل پر بوریت کی اوس پڑنی شروع ہوجاتی ہے۔ چونکہ یہ کتاب خالصتاً عالمانہ اور محدثانہ طرز پر لکھی گئی ہے اس کی اہمیت کے حوالے سے عوام کالانعام ہیں۔ اس لیے ہمارے طباعتی ادارے اس ر سالہ نادرہ کی اشاعت سے قاصر ہیں۔ کبھی تو اس کتاب کی فوٹو کاپیاں افکار ونظریات کی جنم بھومی لاہور کی طرف عازم سفر ہوتی ہیں تو کبھی باب الاسلام شہر کراچی کی طرف طباعت کی امید سے محو پرواز ہوتی ہیں۔

کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

آیئے آخر میں آپ کی ملاقات جنوبی پنجاب کی ایک معروف ومشہور شخصیت سے کراتے ہیں جنھیں عوام وخواص سبھی ہر دلعزیز گردانتے ہیں۔ محبت و مودت اور شفقت و رحمت آپ کے خمیر میں شامل ہے۔ عفوودرگزر اور صلح و صفائی جیسی نایاب صفات حمیدہ آپ کا طرۂ امتیاز ہیں۔ یہ ہیں میرے شیخ مکرم جناب مولانا اللہ یار خان صاحب حفظہ اللہ۔ آپ طویل القامت ہیں اور یہ طویل قامتی صرف جسم ہی کی نہیں بلکہ ذکروفکر، علم وعمل، درس و تدریس، افہام وتفہیم اور اخلاق و عادات غرضیکہ ہر چیز میں بلامبالغہ بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ آپ دارالحدیث محمدیہ میں نائب شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ درسیات وغیر درسیات کی تدریس میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ تفسیر اور علم المعانی والبیان سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے۔ علم اسرارالشریعۃ بھی آپ کی دلچسپی کا میدان ہے۔ مشکل سے مشکل بات کو سامع کے ذہن میں اتارنے کا فن جانتے ہیں۔ مالک لایزال کی رحمت وعنایت سے مجتہدانہ دماغ پایا ہے۔

حضرت الاستاد صاحب کی گزشتہ دنوں عمرے سے واپسی ہوئی تو راقم الحروف کو بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ مکہ اور مدینہ کی روح پرور فضاؤں کا تذکرہ ہوا۔ موجودہ گورنمنٹ کی خدمات بھی مجلس کا موضوع بنیں۔ کچھ وقت کے لیے اعزہ و اقارب سے علیحدگی میسر آئی تو بندہ ناچیز پر شفقت فرماتے ہوئے علمی نکات سے مستفید فرمایا۔ افادۂ عام کے لیے یہ نکات انتہائی اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ﴾ ''لوگوں میں حج کا اعلان کردو، لوگ پیادہ بھی آئیں گے اور ضامر پر بھی آئیں گے۔'' (الحج 27:22) ''ضامر'' کا مطلب ہے بالکل کمزور اور لاچار۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو جانور انتہائی لاغر و کمزور ہے وہ اپنے سوار کو بیت اللہ تک کیسے پہنچائے گا تو جواب یہ ہے کہ ابراہیم! تم بس اعلان کردو، جن کا یہاں تک پہنچنا ناممکن ہوگا وہ بھی آئیں گے تو جن کا پہنچنا ممکن ہوگا وہ تو بالاولیٰ آئیں گے۔ اور اس فرمان کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ معذور، کمزور، لاچار، نابینے حتیٰ کہ جو اپنے قدموں پر چل ہی نہیں سکتے وہ بھی بیت اللہ کے گرد طواف کررہے ہیں۔ شیخ مکرم نے فرمایا: وہاں جاتا وہی ہے جسے بلاوا آتا ہے۔ ایک صحابی نے بھی کہا تھا: «اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ دَعَوتَنِي فَأَجَبْتُهُ» حضرت الاستاد نے فرمایا: ایک دن میں بیت اللہ میں بیٹھا تھا۔ میرے پیچھے ایک صاحب بیٹھے تھے جو کچھ عربی کتابوں کا مطالعہ کررہے تھے۔ مجھے محسوس ہوا کہ یہ کوئی مولانا صاحب ہیں۔ میں نے انھیں کہا: ﴿صٓ وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ﴾ اور ﴿قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ﴾ دونوں جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم اٹھائی ہے، اس کا جوابِ قسم کیا ہے؟ ان صاحب نے کافی غوروخوض کے بعد جواب دریافت کیا تو میں نے سورۂ یٰسین نکالی۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿يٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ یہاں بھی اللہ نے قرآن مجید کی قسم اٹھائی ہے، جواب قسم بھی ہے: ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ یہ سن کر وہ صاحب بہت خوش ہوئے، ماتھے کا بوسہ بھی لیا اور ساتھ ہی کہا: «اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا» شیخ فرماتے ہیں: میں نے سورۃ المائدہ کی آیت کھولی: ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا .....﴾ اس آیت میں ہاتھ دھونے، کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر نہیں ہے؟ پھر میں نے کہا: حدیث ہے کہ جب تک پانی کا رنگ، بو اور ذائقہ نہ بدلے تو پانی پاک ہے تو سردار نے پہلے ہاتھ دھوئے پانی کا رنگ معلوم ہوگیا، پھر کلی کی تو ذائقہ معلوم ہوگیا اور جب ناک میں پانی ڈالا تو بو معلوم ہوگئی تو گویا کہ حضور نے یہ تینوں کام کرکے پانی کی طہارت معلوم کی ہے۔ اب وضو شروع ہوگیا



﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ.....﴾ بقول شیخ میں نے ایک اور سوال کیا کہ ہمیں دائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا حکم ہے بائیں سے کیوں نہیں؟ انھوں نے فرمایا: یہ امر تعبدی ہے۔ میں نے کہا: یہ بات تو ٹھیک ہے کوئی اور وجہ؟ چنانچہ میں نے اپنا دایاں ہاتھ ان کے سامنے کر دیا اور کہا کہ غور سے دیکھو کیا ان چاروں انگلیوں سے لفظ اللہ بنتا ہے یا نہیں؟ بائیں ہاتھ پر اس طرح نہیں بنتا اسی لیے ہمیں حکم ہے کہ کھاؤ تو اسی ہاتھ کے ساتھ، پیو تو اسی ہاتھ کے ساتھ اور کچھ لینا دینا ہو تو وہ بھی اسی ہاتھ کے ساتھ کرو۔

بہرحال بندہ ناچیز کی ان باتوں سے وہ نہایت محظوظ ہوا اور دعائیں بھی دیں۔ میرا نام پوچھا تو میں نے کہا ''ولی اللہ'' تو بندہ نے شیخ سے پوچھا کہ آپ نے ''اللہ یار'' کیوں نہ بتلایا؟ شیخ نے کہا: میں نے اللہ یار کا ترجمہ کیا ہے ورنہ انھیں تو اللہ یار کا مطلب سمجھ ہی نہ آتا۔ حضرت الاستاذ نے فرمایا: ایک مرتبہ میں عصر کے بعد بیت اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا، پیچھے سے کسی نے مجھے کھینچا میں نے نماز جاری رکھی۔ سلام کے بعد مڑ کر دیکھا تو ایک صاحب بلوغ المرام ہاتھ میں لیے بیٹھے تھے اور مجھے حدیث دکھلائی «لَاصَلَاةَ بَعْدَالْعَصْر» میں نے ان سے کتاب لے کر ان کو یہ حدیث دکھلائی: نبی ﷺ نے فرمایا: «يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيتِ وَصَلّٰى اَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيلٍ أَوْنَهَارٍ» انھوں نے کہا: حاشیہ میں علماء کا موقف پڑھیں۔ میں نے کہا: میں نے حدیث پڑھنی ہے علماء کا موقف نہیں۔ اس پر وہ صاحب خاموش ہوگئے۔ ایک مرتبہ آزاد کشمیر کے ایک مولانا مجھ سے ملے اور پوچھا: ﴿إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيهَا﴾ کا مطلب کیا ہے؟ میں نے کہا: یہ باب افعال ہے اور اس کا ہمزہ برائے سلب مادہ ہے جیسے: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ﴾ میں ہے۔ معنی ہوگا عنقریب میں قیامت کو ظاہر کروں گا اور بقول بعض مفسرین ''خفی'' یہ اضداد میں سے ہے۔ اس کا معنی ظاہر کرنا بھی ہے اور چھپانا بھی۔ یہاں اول الذکر معنی ہوگا اور بعض نے مضاف محذوف مانا ہے ''انی اخفی وقتها'' کہ قیامت کا وقوع میں مخفی رکھوں گا۔ ساتھ بیٹھے برادرم مولانا عمر فاروق نے شیخ سے پوچھا کہ ہم اہلحدیث حضرات بڑا لمبا جنازہ پڑھاتے ہیں جبکہ بیت اللہ میں تو انتہائی مختصر جنازہ پڑھایا جاتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت الاستاذ صاحب نے فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ وہ جنازے پڑھا پڑھا کر تھکے ہوتے ہیں، اس لیے مختصر پڑھاتے ہیں اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ برابر ملتا ہو وہاں پر دعائے مغفرت کے چند جملے ہم جیسے لوگوں کی لمبی دعاؤں سے زیادہ کام کرتے ہیں۔ شیخ مکرم کے چھوٹے بھائی مولانا محمد یار خان بھی تشریف فرما تھے۔ انھوں نے دعا کے بعد ہاتھ منہ پر پھیرنے کے متعلق دریافت کیا تو استاد مکرم نے فرمایا: اول بات تو یہ ہے دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کی روایت حسن درجہ کی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ دعا کی قبولیت کی بنیادی شرط یہ ہے کہ دعا اس یقین کے ساتھ مانگی جائے کہ یہ چیز مجھے مل کر رہے گی۔ جب بندہ ہاتھ اٹھائے دعا مانگ لیتا ہے تو تصور یہ ہوتا ہے کہ جو مانگا ہے میرے ہاتھ اس سے لبالب بھر گئے ہیں پھر منہ پر ہاتھ پھیرنا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اے اللہ! جو تو نے اپنی رحمت سے دیا ہے اسے میں نے اپنی آنکھوں پر رکھ لیا ہے۔ کوئی بندہ کسی کو کوئی چیز دے اور لینے والا لے کر اسے نیچے پھینک دے تو اس سے بڑی بے ادبی اور گستاخی کیا ہو سکتی ہے۔ اس لیے منہ پر ہاتھ پھیرنا یہ بھی آداب دعا میں شامل ہے۔ قصہ مختصر شیخ مکرم کے علمی و روحانی افادات تو بہت ہیں یہ تو مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کیے ہیں۔ رہا شیخ کا طرز تدریس و طریقہ تفہیم تو یہ اس قدر منفرد اور ممتاز ہے جو الگ سے مفصل مضمون کا متقاضی ہے اور ہاں آپ کئی ایسی شخصی خوبیوں کے ساتھ بھی متصف ہیں جو بلا مبالغہ آپ کو ہم عصر علماء سے ممتاز کرتی ہیں۔ جن کا تذکرہ پھر کبھی سہی۔ اور آخر میں مورخ اہلحدیث محترم اسحاق بھٹی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جن کی تحریروں نے نہ صرف ہمیں خواب غفلت سے بیدار کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا بلکہ ہمارے کان پکڑ کر ہمیں اپنے اساتذہ کے حوالے سے مربوط و غیر مربوط انداز میں کچھ نہ کچھ لکھنے پر مجبور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان تمام محسنین کو صحت و عافیت والی طویل زندگی عطا فرمائے اور تادیر ان کا سایہ ہم پر قائم دائم رکھے۔ (آمین)



کمر درد سے بچیے

حکیم راحت نسیم سوہدروی

کمر درد کا عارضہ آج کل عام ہے۔ ہر 100 میں سے 18 افراد بلاامتیاز عمر وپیشہ زندگی میں کبھی نہ کبھی اس درد کا شکار ہوتے ہیں۔ کمر درد کے شکار ہی اس تکلیف کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بعض لوگوں میں یہ درد اس قدر شدید ہوتا ہے کہ روزمرہ کے معمولات اٹھنا بیٹھنا، لباس بدلنا، ڈرائیونگ، چلنا پھرنا اور ازدواجی تعلق ایک بہت مشکل کام بن جاتا ہے۔ دراصل اس طرح جھکنے یا دھچکا لگنے سے اور کمر مڑنے سے ریڑھ کی ہڈی پر دباؤ پڑتا ہے اور شدید درد شروع ہوجاتا ہے۔ مریض کئی کئی گھنٹے اس حالت میں گزار دیتا ہے اور ہلنا جلنا اور چلنا تک مشکل ہوجاتا ہے۔

کمر کا درد کیوں؟

امریکہ کی مشی گن یونیورسٹی کے ایک ماہر درد کا کہنا ہے کہ کمر درد کی بڑی وجہ طرزِ حیات (لائف سٹائل) ہے۔ اور لوگ جس طرح اپنے وزن کو بڑھا رہے ہیں اس سے کمر درد کا مسئلہ شدید ہوتا جارہا ہے۔ کمر قدرت الٰہی کی حیاتیاتی انجینئرنگ کا شاہکار ہے۔ اس ڈھانچے میں کھوپڑی، پسلیاں، پیڑو اور کندھے استوار ہوتے ہیں۔ یہ ان اعصابی پٹھوں کے لیے راستوں کا کام دیتی ہے جو دماغ کو جسم کے باقی حصوں سے جوڑتے ہیں۔ کمر لچک دار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رقاص اپنے فن کے مظاہرے کے دوران اپنی کمر کو دائرے کے دو تہائی حصے تک جھکا لیتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے خرابی ہوجائے تو پوری کمر متاثر ہوتی ہے۔

کبھی اس کا آغاز نشوونما کے ابتدائی دور میں اس طرح ہوجاتا ہے کہ ایک ٹانگ دوسری سے بڑی یا چھوٹی رہ جاتی ہے جس سے ریڑھ کے عضلات غیرمتوازن ہوجاتے ہیں۔ بعض لوگوں میں کمر کے مہروں کے درمیان گریاں (Dises) انحطاط پذیر ہوجاتی ہیں۔

اسباب

غیرمتوازن جسمانی انداز کے علاوہ درد کمر



کے کئی اسباب ہوتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کا زیریں حصہ اس کا مرکز بنتا ہے اور وہ لوگ اس کا شکار زیادہ ہوتے ہیں کہ جو بے حرکتی کا شکار رہتے ہیں اور اس طرح اپنا وزن بڑھا لیتے ہیں۔ یا پھر کام کی زیادتی کا شکار افراد اس کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کمر کے مہروں کی گریوں کے انحطاط یا شکستہ ہوکر سرک جانے سے ریڑھ کے پٹھوں پر تکلیف دہ دباؤ پڑتا ہے۔ ایک سبب یہ بھی ہے کہ چپٹی ہڈی جو مہروں کے اوپر واقع ہوتی ہے اپنی جگہ چھوڑ دیتی ہے۔ اس طرح ریڑھ کے عضلات دب کر متورم ہوجاتے ہیں۔ بعض لوگوں میں نفسیاتی دباؤ کے سبب بھی کمر درد ہوتا ہے۔

علاج

درد کمر کے جس طرح مختلف اسباب ہوسکتے ہیں اسی طرح اس کے علاج بھی اسباب کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔ سبب کے تعین کے بعد ہی علاج کا راستہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ عموماً کمر کے مہروں کا معائنہ کیا جاتا ہے۔ اگر گریوں میں شکستگی ہو تو عمل جراحی سے ان کو نکال دیا جاتا ہے۔ تاہم یہ طریقہ آخری تدبیر کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کے خطرات سے بچاؤ کے لیے بہتر ہے کہ دوائی تدابیر اختیار کی جائیں۔ استاد محترم شہید پاکستان حکیم حافظ محمد سعید کا معمول مطب یہ رہا ہے۔ (ہوالشافی) مغز پنبہ دانہ (بنولے کی گری) 9 گرام رات کو آدھے گلاس گرم پانی میں بھگو کر پانی میں شہد خالص ایک چمچ ملا کر پینا مفید ہے۔ پندرہ بیس یوم تک مسلسل اس تدبیر پر عمل کیا جانا چاہیے۔

احتیاط

روزمرہ کے معمولات میں درج ذیل ہدایات پر عمل کرکے کمر درد پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

① سیدھی کرسی پر جس کی پشت سخت اور سیدھی ہو۔ بیٹھا کریں۔ اس طرح بیٹھیں کہ آپ کے گھٹنے آپ کے کولہوں سے کچھ اوپر ہوں۔ اس کے لیے آپ کو چھوٹے پائیدان کی ضرورت ہوگی۔ گھومنے والی کرسی کے استعمال سے بچیں اور موٹے گدے والی کرسی یا صوفے پر نہ بیٹھیں بلکہ کچھ وقت کے لیے چل پھر لیا کریں۔

② زیادہ وقت ایک ہی انداز میں کھڑے نہ ہوں۔ کبھی ایک پاؤں پر اور کبھی دوسرے پاؤں پر وزن منتقل کرتے رہیں۔

③ کھڑے ہوتے وقت جھک کر کمر کی طرف کبھی اپنے ہاتھوں سے سہارا نہ لیں بلکہ ہاتھ آگے کی جانب رکھ کر تھوڑا آگے کی طرف جھکیں۔

④ فٹ پاتھ پر قدم رکھنے سے قبل اس کی اونچائی کا اندازہ کرلیں۔ اس طرح دروازہ پوری طرح کھلا ہو تاکہ آپ آسانی سے گزر سکیں۔

⑤ ڈرائیونگ کرتے ہوئے ہمیشہ اپنی سیٹ آگے کی طرف کھسکائیں تاکہ گھٹنے کولہوں سے اوپر ہوجائیں۔ یوں کمر اور کندھوں کے پٹھوں پر دباؤ کم ہوجائے گا۔ ڈرائیونگ کے دوران ہمیشہ حفاظتی بیلٹ باندھیں۔

⑥ بستر پر آرام کریں۔ جسم کو اوپر اٹھانے یا موڑتے سے احتیاط کریں۔ اس طرح کمر پر دباؤ سے درد بڑھ سکتا ہے۔ کروٹ کے بل سوئیں اور دونوں گھٹنے ٹھوڑی کی جانب کھسکالیں۔ بستر پر لیٹتے ہوئے بازو سر سے اوپر نہ لے جائیں بلکہ جسم کے برابر رکھ کر آرام دیں۔ پیٹ کے بل سونے سے احتیاط کریں اور ہمیشہ سخت گدے ورنہ بہتر ہے کہ فرش پر سوئیں۔

⑦ کوئی چیز اٹھاتے ہوئے کمر کی بجائے ٹانگوں سے کام لیں۔ اگر کوئی ہلکی شے بھی اٹھانا ہو تو یہی طریقہ اختیار کریں۔ ٹانگیں سیدھی رکھ کر کبھی کوئی شے نہ اٹھائیں۔ کار کی ڈگی سے بھاری اشیاء نہ اٹھائیں۔

⑧ درد کی صورت میں بستر نہ بچھائیں اور جھکنے والا کوئی کام جس سے کمر پر بوجھ پڑے نہ کریں۔

⑨ اپنا وزن معیاری وزن سے نہ بڑھنے دیں۔

⑩ زیریں کمر کو مضبوط بنانے کے لیے سادہ ورزش معالج کے مشورے کے بغیر نہ کریں۔

⑪ غذا میں گوشت، مچھلی، مرغی اور سبزیاں جو زمین سے اوپر اگتی ہیں۔ پھلوں میں آلوچہ، خوبانی، امرود، سیب درد کمر میں مفید ہیں۔ جبکہ گھی تیل، مکھن، مٹھائی، ڈبل روٹی، آم، کیلا اور وہ تمام سبزیاں جو زمین کے اندر اگتی ہیں، مثلاً: چقندر، گاجر، شلجم، وغیرہ کا استعمال نہ کریں۔

بقیہ: .....اور میں مسلمان ہوگیا

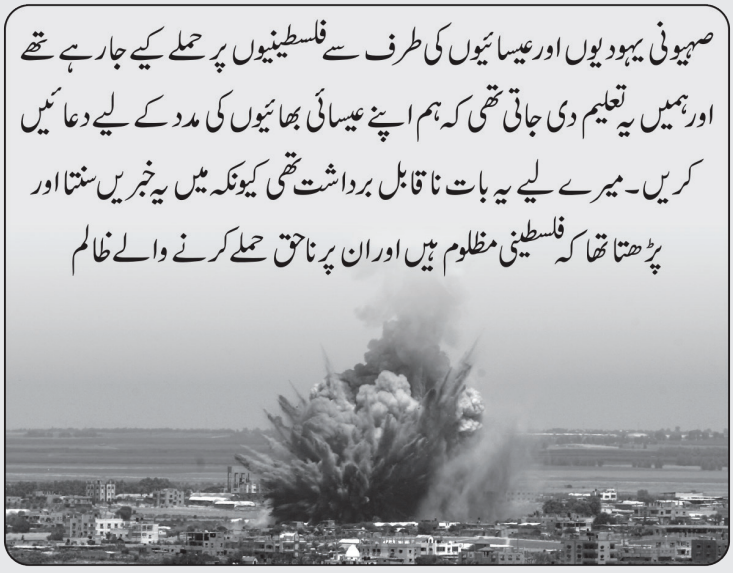
ضیائے حدیث: کیا وہ بھی سبھی آپ کی طرح نوجوان تھے؟

عبدالوہاب: نہیں! میں عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ باقی تقریباً سبھی تیس سال سے زائد عمر کے تھے۔

ضیائے حدیث: ایک ہفتہ وہاں گزارنے کے بعد آپ نے کیا فیصلہ کیا؟

عبدالوہاب: میں دوبارہ اسی استاذ کے پاس گیا جس نے مجھے اس خانقاہ آنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے اس کے سامنے اپنی مایوسی کا اظہار کیا، تاہم اس کی رہنمائی کا شکریہ بھی ادا کیا۔ چنانچہ اس نے مجھے ایک دوسرے راہب کے پاس جانے کا مشورہ دیا جو کہ دیگر راہبوں کی بہ نسبت قدامت پسند تھا۔ یہ ایک عرصہ تک پادری رہنے کے بعد اٹلی کے سرکاری چرچ سے علیحدگی اختیار کر چکا تھا۔ اس کا سرکاری چرچ پر بنیادی تعلیمات سے دوری کا الزام تھا، مثلاً: اس کے خیال میں اتوار کے روز کی اجتماعی دعا اور عبادت کو لاطینی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں ادا کرنا مذہب سے بغاوت کی علامت تھی۔ (حالانکہ نصرانیت کی مذہبی کتاب انجیل لاطینی زبان میں نازل ہوئی تھی نہ لاطینی زبان کا نصرانی مذہب سے بنیادی تعلق تھا۔ مگر محض نصرانیوں کے سنہری دور کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے لاطینی زبان کو اہمیت دی جاتی تھی)

بہرحال میں اس پادری اور راہب کے پاس گیا اور اس کے مریدین میں شامل ہوگیا۔ لیکن میں اس حلقہ میں بھی زیادہ دن نہ رہ سکا اور اس کی دو بڑی وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ ان



دنوں صہیونی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے فلسطینیوں پر حملے کیے جارہے تھے اور ہمیں یہ تعلیم دی جاتی تھی کہ ہم اپنے عیسائی بھائیوں کی مدد کے لیے دعائیں کریں۔ میرے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کیونکہ میں یہ خبریں سنتا اور پڑھتا تھا کہ فلسطینی مظلوم ہیں اور ان پر ناحق حملے کرنے والے ظالم۔ میرے لیے یہ بات صدمہ انگیز تھی کہ امن اور محبت کی بات کرنے والے عیسائی مذہب کے حامل بھی عدل و انصاف کا دامن چھوڑ چکے ہیں اور محض اپنے مذہبی تعصب کی بناء پر مظلوم کی بجائے ظالم کا ساتھ دے رہے ہیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس گروہ میں شامل اکثر نوجوان چرچ کے اندر رہتے ہوئے تو بڑے اخلاص کے ساتھ عبادت و ریاضت کرتے نظر آتے تھے مگر چرچ کی عمارت سے باہر آتے ہی ان کا رویہ یکسر بدل جاتا تھا۔ گندی زبان استعمال کرنا، گالی گلوچ کرنا، بے ہودہ مذاق کرنا، دوسروں کے ساتھ بدتمیزی کرنا اور لڑکیوں کو تاڑنا، ان نوجوانوں کا چرچ سے باہر طرزِ عمل تھا۔

ضیائے حدیث: اس گروہ کے ساتھ آپ نے کتنا عرصہ گزارا؟

عبدالوہاب: میں نے اس گروہ کی معیت میں کافی مہینے یا شاید ایک سال گزارا ہوگا۔ میں جی ہی جی میں کڑھتا تو رہتا تھا مگر اس گروہ کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ مجھے اس کے سوا کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی۔ بالآخر میں نے ہمت باندھی اور اس گروہ کو خیرباد کہہ دیا۔

ضیائے حدیث: پھر اس کے بعد کیا ہوا؟

عبدالوہاب: اس کے بعد میں ایک مرتبہ پھر اسی پروفیسر کے پاس گیا جس نے مجھے یہاں آنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے اس کے سامنے پھر سے اپنی مایوسی کا اظہار کیا تو اس نے کہا: دیکھیے میری لسٹ میں جو لوگ آپ کے لیے مفید

ہوسکتے تھے میں نے آپ کو بتادیے ہیں۔ اب مزید کوئی شخص یا گروہ نہیں بچا جس کے بارے میں میں کوئی تجویز دے سکوں۔ اور میں آپ کو کسی یہودی پیشوا کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ اس کے پاس نہیں جائیں گے۔ البتہ میں آپ کو ایک امام کا رابطہ نمبر دے سکتا ہوں۔ (یہ پروفیسر اگرچہ خود کیتھولک عیسائی تھا مگر تاریخ ادیان کا علم رکھنے اور مختلف مذاہب کی شخصیات سے سماجی تعلقات رکھنے کی وجہ سے بعض مسلمان رہنماؤں کو بھی جانتا تھا) میں لفظ ''امام'' سے واقف نہ تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے اس لفظ کی وضاحت طلب کی تو اس نے مجھے بتایا کہ ''امام'' مسلمانوں کے مذہبی رہنما کو کہتے ہیں جیسے کیتھولک اپنے پیشوا کو پریسٹ (Priest) کہتے ہیں۔ میں نے اس کی بات سنتے ہی کہا کہ نہیں، مجھے مسلمانوں کے رہنما سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میں اسلام کے بارے میں کچھ جاننے کی خواہش رکھتا ہوں۔ اس نے مجھ سے اس عدم دلچسپی کی وجہ پوچھی تو میں کوئی واضح جواب بھی نہ دے سکا۔ صرف اتنا کہا کہ مجھے اس دین میں کچھ نظر نہیں آتا آپ کسی اور مذہب کے بارے میں بتائیے! اس نے یہ کہتے ہوئے معذرت کرلی کہ اس کے پاس اس کے سوا کوئی اور حل نہیں ہے۔ بالآخر میں نے محض اس کا احترام کرتے ہوئے امام کا رابطہ نمبر لینے پر آمادگی کا اظہار کیا اور واپس پلٹ آیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس سے قبل کہ میں امام سے رابطہ قائم کروں مجھے اسلام کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ چنانچہ میں نے کچھ مختصر سی کتابیں خریدیں جن میں ایک کتاب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی بھی تھی جس کا نام "Towards Understanding Islam" تھا۔ اگرچہ مجھے اسلام سے، اس کتاب سے یا مصنف سے کچھ واقفیت نہیں تھی میں نے یہ کتاب محض ٹائٹل پر موجود تصویر کی وجہ سے خریدلی۔ یہ تصویر بیت اللہ شریف کی تھی جو مجھے بہت جاذب نظر لگی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ میں نے اس کتاب کو کھول کر دیکھنا تک گوارا نہ کیا کیونکہ اسلام کے بارے میں میرے دل میں کوئی جذبہ یا شوق نہیں تھا۔ میں کئی مرتبہ اس کتاب کو پڑھنے کا سوچتا مگر پھر ارادہ ترک کردیتا۔ حتی کہ ایک روز میں نے کسی بھی کتاب کا مطالعہ کیے اور اسلام کے بارے میں کچھ جانے بغیر اس امام سے رابطہ قائم کرلیا۔ اس کے ساتھ ملاقات کے لیے جب گیا تو اس کے گرد کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے جو کہ کچھ ایسے کلمات کا ورد کررہے تھے جو اطالوی زبان کے نہ تھے۔ مجھے وہ کلمات اچھے لگے مگر میں ان کے مفہوم سے ناواقف تھا۔ جب میں نے ان سے ان کلمات کا مفہوم دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ ہم «بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم» کہہ رہے تھے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' اور ہم یہ کلمات کوئی بھی اچھا کام شروع کرنے سے پہلے ادا کرتے ہیں۔ یہ بات فوراً میرے دل میں اتر گئی اور مجھے یہ احساس ہونے لگا کہ یہی وہ دین ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔ میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ کیتھولک عیسائی خدا کے ساتھ تعلق جوڑنے کی باتیں تو بہت کرتے ہیں مگر ان کی عملی زندگی میں اس کا وجود بہت کم نظر آتا ہے، جبکہ یہ مسلمان تو اپنے کاموں کا آغاز ہی اللہ کا نام لے کر کرتے ہیں جو کہ اللہ کے ساتھ مضبوط اور دائمی تعلق کی نشانی ہے۔

ضیائے حدیث: آپ کی ملاقات اُن لوگوں کے ساتھ مسجد میں ہوئی تھی؟

عبدالوہاب: نہیں، ان کے ایک مرکز میں جہاں وہ اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ یہ صوفی لوگ تھے اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ سبھی کے سبھی نومسلم یورپین تھے۔ بہرحال کچھ ہی دیر کے بعد میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں بھی آپ کے گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ انھوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ ''آپ کا کیا مطلب ہے'' میں نے کہا: میں مسلمان بننا چاہتا ہوں۔ انھوں نے فوراً کہا کہ ''ہرگز نہیں، آپ تو اسلام کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔'' میں نے کہا کہ پھر مجھے کچھ بتائیے۔ انھوں نے اسلام کے پانچ ارکان کا مختصر تعارف میرے سامنے رکھا تو میں نے ایک بار پھر کہا کہ میں ان تمام باتوں سے متفق ہوں۔ میں مسلمان بنتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ابھی نہیں! آپ کو اسلام کے بارے میں قدرے تفصیل سے پڑھنا چاہیے اور اس کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اسے ایک مرتبہ قبول کرنے کے بعد آپ اسے چھوڑ نہیں سکتے جیسا کہ آپ اس سے پہلے مختلف گروہوں کے ساتھ کرتے آئے ہیں۔

میں نے کہا کہ میں اس پر مکمل طور پر مطمئن ہوں اور میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ وہی رستہ ہے جس کی مجھے تلاش تھی مگر وہ نہ مانے اور مجھے وہاں سے مایوس ہوکر اُٹھ کر آنا پڑا۔ حالانکہ انھوں نے مجھ سے کچھ سوال بھی کیے اور مجھے اسلام کی تعلیمات کے بارے میں مزید بہت کچھ بتایا، مثلاً: عیسیٰ علیہ السلام خدا یا معبود نہیں بلکہ انسان اور پیغمبر ہیں، مسلمان ہونے کے بعد تمھیں خنزیر کا گوشت کھانا اور شراب پینا چھوڑنا ہوگا۔ مجھے ان تمام باتوں پر عمل کرنا عین فطرت لگ رہا تھا۔ کیونکہ میں نے کبھی شراب نہیں پی تھی باوجودیکہ میرے والد مجھے کئی مرتبہ مجبور بھی کر چکے تھے۔ مجھے اس کی بو اور ذائقہ ہی اچھا نہیں لگا تھا۔ اسی طرح خنزیر کا گوشت اگرچہ اٹلی کے شمالی علاقے میں کثرت کے ساتھ کھایا جاتا ہے مگر ہم چونکہ جنوبی علاقے سے ہیں ہمارے ہاں بہت کم کھایا جاتا تھا۔ رہی بات عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ تثلیث کی نفی کی تو میں کبھی اس عقیدے کو سمجھ ہی نہیں پایا تھا، لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کے انسان اور پیغمبر ہونے کا اقرار کرنا میرے لیے قابل فہم تھا۔ بہرحال میں پریشان حال وہاں سے پلٹ آیا۔ اور آتے وقت انھوں نے مجھے کچھ کتابیں پڑھنے کے لیے دیں اور کہا کہ جب انھیں پڑھ کر تمھارا ارادہ پختہ ہوجائے تو ہمیں اطلاع کرنا۔ ہم ایک تقریب کا اہتمام کریں گے جس میں آپ سب کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کریں گے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ میں نے ان کتابوں کو پڑھنے کی جسارت ہی نہیں کی کیونکہ میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ مجھے انھیں پڑھنے کی کیا ضرورت ہے، حالانکہ میں اسلام کے بارے میں مکمل طور پر قائل ہوچکا ہوں۔ چنانچہ ہفتے عشرے کے وقفے سے میں نے ان سے رابطہ قائم کرکے کہا کہ آپ اگر مجھے مسلمان بناتے ہیں تو ٹھیک ورنہ میں کسی اور مسلمان جماعت یا گروہ سے رابطہ کرکے مسلمان ہوجاؤں گا۔ میری اس بات پر انھوں نے مجھے اپنے پاس آنے کا کہا اور میں نے جاکر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ یہ بات ہے 1985ء کی، جب میری عمر 20 سال تھی۔

ضیائے حدیث: الحمدللہ! کلمہ پڑھنے کے بعد کیا آپ کسی قسم کی مشکلات کا شکار ہوئے؟

عبدالوہاب: اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے سب سے بڑی جس مشکل کا سامنا کرنا پڑا وہ تھی صوفیت کو چھوڑنا۔ جیسے میں نے بتایا ہے کہ میں جن لوگوں کے ذریعے مسلمان ہوا وہ نومسلم یورپین صوفی تھے۔ اس گروہ کا تعلق احمدیہ ادریسیہ طریقے سے تھا۔ اس صوفی طریقہ کے پیروکار انڈونیشیا اور سنگاپور وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ ان لوگوں کے ساتھ گزارنے کے بعد میں نے نقشبندی طریقے میں شمولیت اختیار کی اور اس کا سبب نقشبندی سلسلے کے پیشوا شیخ ناظم حقانی سے ملاقات تھی۔ میری ان سے یہ ملاقات استنبول ترکی میں ہوئی تھی جہاں میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چونکہ مجھے اسلام کے بارے میں بہت کچھ سیکھنے کی تڑپ تھی اس لیے میں نے حصول علم کی خاطر مختلف مسلم ممالک کا سفر کیا۔ بالخصوص مصر کا سفر عربی زبان سیکھنے کے لیے تھا۔ جہاں قیام کے دوران مجھے ایک اور صوفی سلسلے ''تیجانیہ'' سے تعارف ہوا۔ اس سلسلے کے پیروکار مصر، مراکش، تیونس اور دیگر افریقی ممالک میں موجود ہیں۔ چنانچہ میں نے تیجانی سلسلے میں شمولیت اختیار کرلی اور اس پر مجھے کچھ اطمینان ہونے لگا جو کہ بعد میں میرے لیے کافی پریشانی کا باعث بھی بنا۔ اسی لیے اس سلسلے (یعنی سلسلہ تیجانیہ) سے نکلنا یا اسے چھوڑنا میرے لیے بہت دیر تک ایک معمہ بنا رہا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک مرتبہ پھر ہدایت نصیب فرمائی اور میں نے اس سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔

ضیائے حدیث: اس ہدایت ثانیہ کی ذرا تفصیل بتائیے؟

عبدالوہاب: ہوا یوں کہ میں اٹلی میں یونیورسٹی کی ملازمت کرتا تھا جہاں میری ایک تیونسی بھائی سے ملاقات ہوئی۔ کچھ دنوں کی جان پہچان کے بعد انھوں نے مجھ سے کہا: ''عبدالوہاب بھائی! میں جانتا ہوں کہ آپ صوفی ہیں اور صوفی لوگ رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں؟'' میں نے ''ہاں'' میں جواب دیا تو وہ گویا ہوئے: ''تو پھر ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ کبھی کبھار اکٹھے بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی کچھ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے پڑھ لیا کریں؟'' میں یہ جانتے ہوئے کہ وہ صوفی نہیں ہے اس کی اس پیشکش کو ردّ نہ

کرسکا۔ چنانچہ اس بھائی کے ساتھ بیٹھ کر جب میں نے چند احادیث پڑھیں تو مجھے یہ جان کر شدید دھچکا لگا کہ ان احادیث میں اور صوفیاء کی تعلیمات اور عمل میں کھلم کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔

ضیائے حدیث: کیا آپ اس تضاد کی کوئی مثال دے سکتے ہیں؟

عبدالوہاب: ایک تو یہ کہ ہمیں یہ بتایا جاتا تھا کہ صوفی حضرات دین کے فقہی مسائل پر عمل کرنے سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ وضو یا نماز فقہاء کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بجا لائیں کیونکہ یہ تعلیمات ان لوگوں کے لیے ہیں جو روحانی اعتبار سے نچلے درجے کے ہیں جبکہ صوفیاء کا مقام اس سے بالاتر ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس بھائی نے مجھ سے کہا کہ صوفی ہونے کے ناطے آپ کا یہ فرض بنتا ہے کہ آپ ذکر، رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق کریں۔ میں نے کہا: جی بالکل۔ انھوں نے کہا کہ پھر آپ صوفیاء کے ہاں ذکر کرنے کا جو طریقہ رائج ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث سے ثابت کرکے دکھائیں۔ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا اور نہ ہی اس وقت مجھ میں اتنی جرأت تھی کہ اپنے مرشد سے اس سوال کا جواب طلب کرسکوں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سلسلہ تیجانیہ کے بارے میں ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ تمام صوفی طریقوں میں سب سے بلند پایا ہے بلکہ اس کی حیثیت دوسرے طرق کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جیسے اسلام کی حیثیت دوسرے مذاہب کے مقابلے میں، لہٰذا اس سلسلے کی کسی تعلیم میں معمولی سا شک کرنا دائرہ اسلام سے خروج کے مترادف ہے۔ یہی ذہن سازی میرے لیے خوف کا باعث تھی۔ بہرحال احادیث مبارکہ کا مسلسل مطالعہ جہاں میرے لیے نورِ ہدایت ثابت ہوا وہیں سلسلہ تیجانیہ کی گمراہیوں سے نقاب کشائی کا باعث بھی بنا۔ ان گمراہیوں میں سے ایک بھیانک گمراہی یہ تھی کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس سلسلے کے بانی احمد التیجانی کو اللہ کی طرف سے سونے کی تختی پہ ''صلاۃ الفاتح'' نامی دعا یا ورد حاصل ہوا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس وِرد کی ایک مرتبہ تلاوت قرآن مجید کو ایک ہزار مرتبہ تلاوت کرنے سے افضل ہے۔ (العیاذ باللہ)

ایک روز میں نے صرف اتنی جرأت کی کہ اپنے ایک ہم عمر مرید کے سامنے اس تشویش کا اظہار کیا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن مجید، جو کہ اللہ ذوالجلال والاکرام کا آخری کلام ہے، کے بعد اللہ کی طرف سے کوئی ایسی چیز نازل ہو جو قرآن سے بھی ہزار گنا افضل ہو؟ اس نے فوراً یہ کہا کہ ذرا دھیان رکھیے گا کہیں ان شکوک وشبہات کی بنا اس سلسلے سے خروج نہ کر جائیں جو کہ نتیجتاً دائرۂ اسلام سے خروج کا باعث بن جائے گا۔ چنانچہ ایک طرف یہ ڈر اور خوف اور دوسری طرف احادیث کا مطالعہ، میرے لیے تقریباً ایک سال تک سخت ذہنی اذیت کا باعث بنا رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مجھے راہِ ہدایت دکھلا دی اور میں نے تمام تر صوفی طرق سے مکمل توبہ کرکے چھٹکارا حاصل کرلیا۔ اب مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ جو لوگ گمراہیوں کے ان جالوں میں پھنسے ہوتے ہیں ان کے لیے خلاصی پانا کس قدر مشکل مرحلہ ہے۔ لہٰذا ان کی اصلاح کے لیے گہری حکمت اور نفسیات کی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ضیائے حدیث: جس بھائی نے آپ کو احادیث شریف کا مطالعہ کرنے پر لگایا تھا اس کا نام آپ کو یاد ہے اور کیا اس سے رابطہ ہے؟

عبدالوہاب: اس بھائی کا نام ''خلیفہ'' تھا اور اس کے ساتھ اس کا ایک دوست بھی ہوتا تھا جس کا نام ''منیر'' تھا۔ کچھ عرصہ تک میرا ان سے رابطہ رہا ہے مگر اب کافی سالوں سے کوئی رابطہ نہیں۔

ضیائے حدیث: اسلام کے کس پہلو نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

عبدالوہاب: سب سے زیادہ موثر چیز میرے لیے یہ تھی کہ یہ دین اپنے ماننے والوں کو ہر لمحہ ان کے خالق و مالک سے جوڑ کر رکھتا ہے۔ اور یہی وہ چیز تھی جس کی جستجو میں میں نے مختلف سفر کیے اور بہت سے ادیان کا مطالعہ کیا۔ صبح بیدار ہونے سے لے کر رات سونے تک ایک ایک قدم پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا، کام شروع کرنے سے قبل بسم اللہ کہنا اور ختم کرنے پر الحمدللہ کہنا، نیز ہر چھوٹے بڑے کام میں اللہ کو یاد رکھنا اس دین کی امتیازی خوبی ہے۔ اور اسی چیز نے میرے دل پر سب سے زیادہ اثر کیا اور یہی میرے اسلام قبول کرنے کا باعث بنی۔ الحمدللہ۔

ضیائے حدیث: اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے اپنے اندر کیا تبدیلی محسوس کی؟

عبدالوہاب: اس تبدیلی کو میں ''نئی پیدائش'' سے تعبیر کروں گا۔ میرے لیے اسلام قبول کرنا نئے سرے سے دنیا میں آنا تھا۔ نیز دل میں ایمان کا نور رکھنے کے نتیجے میں اپنے تمام تر معاملات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر توکل کرنا زندگی کو بہت زیادہ قابل اطمینان بنادیتا ہے۔

ضیائے حدیث: اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا رہا؟

عبدالوہاب: جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد پہلے تین سال تو میں صوفیوں کی مجلس ومعیت میں رہا۔ ان لوگوں کا میرے ساتھ سلوک عام مسلمانوں کے سلوک سے مختلف تھا۔

مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ تیونس گیا اور وہاں ایک مسجد میں نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوکر چند لوگوں سے تعارف ہوا۔ جب ان کو پتہ چلا کہ میں نومسلم اطالوی ہوں تو انھوں نے نہایت پرتپاک انداز میں خوشی کا اظہار کیا اور میری بھرپور طریقے سے مہمان نوازی کی۔ کوئی مجھے اپنے پاس ٹھہرنے کی دعوت دینے لگا تو کوئی کھانے پر اصرار کرنے لگا۔ یہ تو عام مسلمانوں کا رویہ تھا۔ رہی بات صوفی گروہوں کی، تو وہ لوگ صوفی اور غیرصوفی میں امتیاز رکھتے ہیں۔ ان کی محبت دراصل اپنے ہی ہم خیال و ہم نظریہ لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ غیرصوفیاء کے ساتھ ان کا رویہ ایسے ہی ہوتا ہے جیسے ایک آقا کا اپنے غلام کے ساتھ، یعنی وہ خود کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہیں مگر کھل کر کسی کو برا بھی نہیں جانتے۔ اسی لیے اکثر و بیشتر وہ عوام الناس میں گھلتے ملتے نہیں ہیں۔

ضیائے حدیث: اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کو والدین، دیگر رشتہ داروں یا دوست احباب کی طرف سے کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑا؟

عبدالوہاب: نہیں! میرے والدین میرے معاون ہی رہے ہیں ان کی طرف سے مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔

ضیائے حدیث: آپ کے والدین کا ردعمل کیا تھا؟

عبدالوہاب: میں نے اپنی والدہ کو جب بتایا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں تو انھوں نے مجھ سے صرف ایک سوال کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ کیا میں اس نئے دین کو اپنانے کے بعد شادی کرسکوں گا یا نہیں۔ میں نے اثبات میں جواب دے کر ان سے اس سوال کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ جب تم راہبوں کی خانقاہ میں گئے تھے تو مجھے یہ خدشہ لاحق ہوگیا تھا کہ کہیں تم راہب بن کر شادی سے انکار ہی نہ کردو اور میں پوتے پوتیوں سے محروم رہ جاؤں۔ انھیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ اسلام رہبانیت سے منع کرتا ہے۔ رہے میرے والد تو انھوں نے صرف اتنا کہا کہ ''اب دیکھتے ہیں تم کتنی دیر تک اس دین پر قائم رہتے ہو۔'' میں نے جواب میں کہا کہ بس اب یہ انتہاء ہے۔ اب مرتے دم تک آپ مجھے اسی دین پر قائم پائیں گے۔ ان شاء اللہ۔

ضیائے حدیث: آپ کے کوئی بہن بھائی ہیں؟ اور کیا آپ کے بعد کسی اور نے بھی اسلام قبول کیا ہے؟

عبدالوہاب: میرے صرف ایک بھائی ہیں جو عمر میں مجھ سے ایک سال بڑے ہیں۔ انھوں نے یا میرے والدین نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا۔ اگرچہ میری دعوت اور کوشش جاری ہے۔ اللہ انھیں ہدایت عطا فرمائے۔

ضیائے حدیث: مسلمان ہونے کی وجہ سے کبھی کام وغیرہ کے سلسلے میں کوئی دشواری پیش آئی؟

عبدالوہاب: کوئی خاص نہیں، البتہ یہ ضرور تھا کہ جب میں نے اسلام قبول کیا ان دنوں یونیورسٹی میں کام کرتا تھا اور پوری یونیورسٹی میں میں اکیلا مسلمان تھا۔ ابتداءً نماز ادا کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوتی تھی کہ لوگ دیکھ کر کیا کہیں گے مگر میں ہمت باندھ کر نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔ جس کا بعد میں مجھے یہ فائدہ ہوا کہ میرے اندر دین پر عمل کرنے کی جرأت پیدا ہوگئی۔ اس وقت سے لے کر اب تک میں نے دنیا کے مختلف ممالک کے سفر کیے ہیں اور جہاں کہیں بھی نماز کا وقت ہوتا ہے میں ادا کرلیتا ہوں۔ وہ ایئرپورٹ ہو، ٹرین اسٹیشن ہو یا کوئی اور عوامی جگہ۔ اس سلسلے میں مجھے آج تک کبھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اس کے علاوہ کوئی مشکل پیش آنا تو درکنا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہوں کہ اس نے میرے لیے ہدایت کے رستے آسان فرمائے۔ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے کبھی ایک لمحہ بھر کے لیے بھی پچھتاوا نہیں ہوا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کی یہ خوبصورتی ہے کہ انسان اس کی ہدایات و تعلیمات پر عمل کرنے سے کبھی اکتاتا نہیں ہے بلکہ جیسے جیسے انسان نیکی میں بڑھتا جاتا ہے اس

کی حلاوتِ ایمانی میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ حتی کہ وہ اعمال جنھیں ہم روزانہ کی بنیاد پر بجالاتے ہیں جیسے نماز اور دیگر عبادات، ان کی ادائیگی بھی روح کی تازگی کا باعث بنتی ہے۔ گویا ہر آنے والا دن ایک مسلمان کے لیے عبادت و اطاعت کی شادابی لے کر آتا ہے۔ اور ہر طلوع ہونے والا سورج اللہ کے فرماں بردار بندے کو مزید شوق دلاتا ہے۔

ضیائے حدیث: جو لوگ ابھی تک اسلام کی دولت سے محروم ہیں ان کے نام آپ کا کیا پیغام ہے؟

عبدالوہاب: آپ اجازت دیں تو پہلے میں ان لوگوں کو پیغام دینا چاہتا ہوں جو پیدائشی مسلمان ہیں۔ اور مسلمان گھرانوں میں پروان چڑھے ہیں مگر عملی طور پر دین سے دور ہیں کیونکہ ایسے لوگوں کی حالت اور ان کا رویہ دیکھ کر مجھے زیادہ دکھ ہوتا ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جنھوں نے اسلام قبول ہی نہیں کیا۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، جن لوگوں کو اللہ نے اسلام کی ہدایت دی مگر وہ اس کی قدر نہیں کرتے بہت بدنصیب ہیں۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد میرا کسی مسلمان ملک کی طرف سب سے پہلا سفر ترکی کا تھا۔ ان دنوں ترکی مغرب کی تقلید کرتے ہوئے جدت پسندی کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ میں یہ دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا کہ مسلمان کھلے عام شراب نوشی، فحاشی وعریانی اور حرام کاموں میں مگن ہیں اور مساجد نمازیوں سے خالی ہیں۔ اب بھی اگر میں کسی مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات سے دور دیکھوں تو بہت دکھ ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے نام میرا پیغام یہ ہے کہ فَفِرُّوا اِلَی اللّٰہ دنیا کی بجائے اللہ کی طرف دوڑ لگاؤ۔ بغیر محبت ومشقت کے ملنے والی اسلام کی قیمتی متاع کی قدر کرو اور محض اسلامی نام رکھ کر اور مسلمان گھر میں پرورش پاکر یہ مت سمجھو کہ جنت تمھارے نام لگ گئی ہے۔

رہا غیر مسلموں کے لیے پیغام، تو وہ یہ ہے کہ حقیقت جاننے کی کوشش کرو اور محض آباؤ اجداد کے دین کی اندھی تقلید نہ کرو۔ تحقیق کرو کہ سچا دین کون سا ہے۔ اور پھر تعصب سے بالاتر ہوکر حق کو قبول کرلو۔

ضیائے حدیث: آپ کے خیال میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت کس انداز سے دی جانی چاہیے؟

عبدالوہاب: میرا خیال ہے کہ لوگوں کو ان کی ذہنی سطح کے مطابق دعوت دینی چاہیے۔ اور دعوت کی ابتدا لازماً عقیدہ توحید سے ہونی چاہیے۔ یہی بات ہمیں پیغمبر گرامی ﷺ کی سیرت طیبہ سے ملتی ہے۔

ضیائے حدیث: آپ کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟

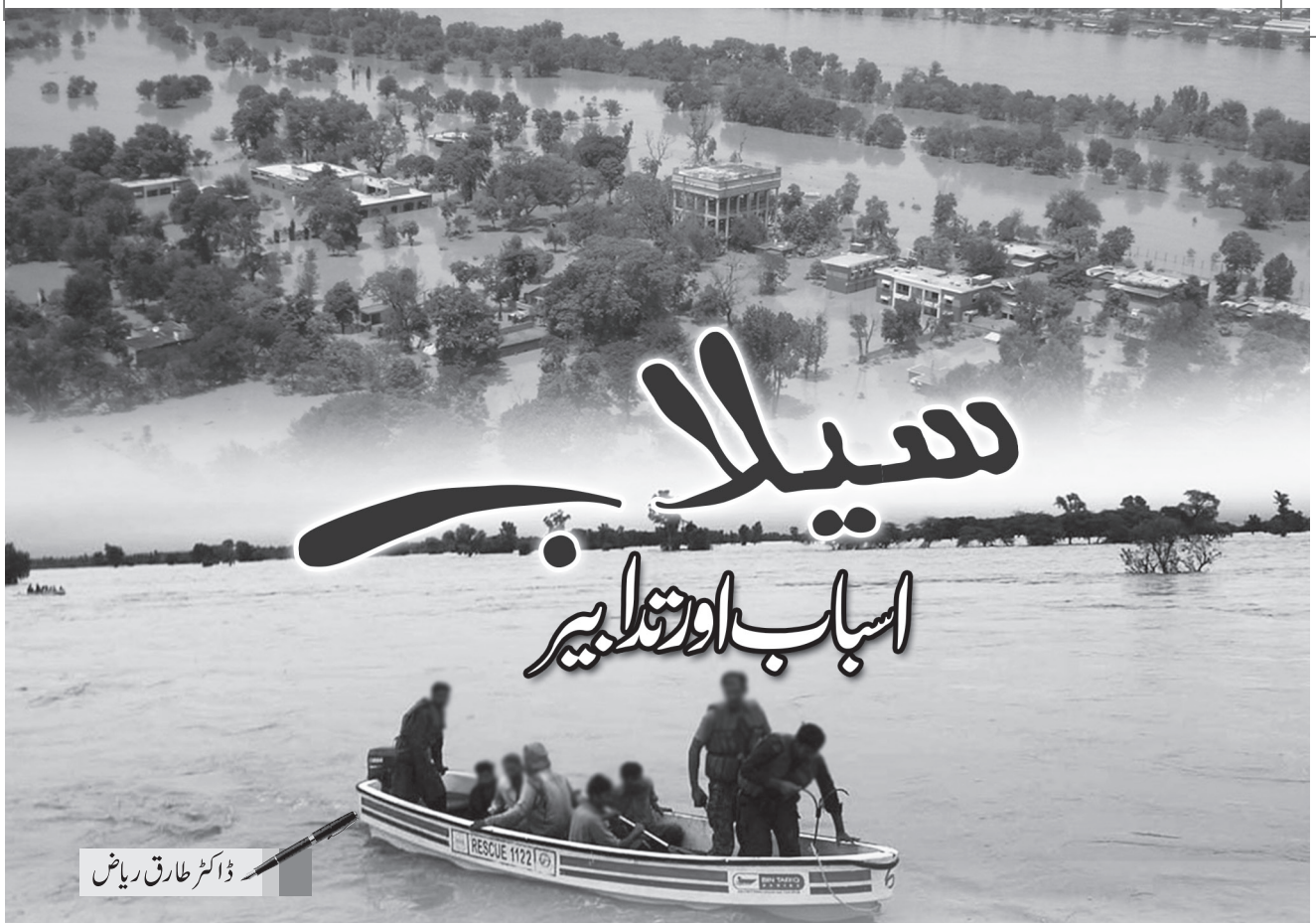
عبدالوہاب: سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ حالت اسلام میں موت آئے۔ اس سے بڑی کوئی خواہش نہیں ہوسکتی۔

ضیائے حدیث: آپ نے ابتدا میں ذکر کیا ہے کہ آپ ایک رفاہی ادارے میں کام کرتے ہیں۔ اس جاب کو اختیار کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اور کتنے عرصے سے یہ جاب چل رہی ہے؟

عبدالوہاب: میں طبعی طور پر لوگوں کی مدد کرنا پسند کرتا تھا مگر جب اسلام کی آغوش میں آیا تو پتہ چلا یہ دین نام ہی دوسروں کی خیرخواہی کا ہے۔ اور اللہ کی مخلوق کی مدد کے ذریعے انسان اللہ کے قریب تر ہوجاتا ہے۔ تو گویا رفاہی کاموں کو سرانجام دینا فطری اور دینی دونوں اعتبار سے مجھے پسند ہے۔ اسی لیے میں گزشتہ ایک دہائی سے زائد عرصے سے اس کام سے منسلک ہوں۔

ضیائے حدیث: آخری سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنا نام ''عبدالوہاب'' کیوں رکھا؟

عبدالوہاب: میں جب حلقہ بگوش اسلام ہوا تو مجھے یہ بتایا گیا کہ اسلام قبول کرنے سے انسان کے سابقہ تمام گناہ دھل جاتے ہیں اور انسان ایسے ہوجاتا ہے جیسے نومولود بچہ۔ لہٰذا اس مناسبت سے اگر کوئی اپنا نیا نام رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔ میں نے اسی بات کے پیش نظر طے کیا کہ مجھے اپنا نام تبدیل کرنا چاہیے۔ چنانچہ نام کے انتخاب کے لیے مجھے ایک کتاب دی گئی جس میں اسلامی نام مع ترجمہ موجود تھے۔ میری نظر سے اللہ کا صفاتی نام ''الوہاب'' اور اس کا ترجمہ گزرا تو دل اس نام کی طرف آمادہ ہوا۔ پھر ذرا تفصیل معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ''الوہاب'' ہبہ سے ہے اور اس کا مطلب ہے بغیر مانگے دینے والا۔ میں نے اس نام کے ساتھ ''عبد'' لگا کر اسے منتخب کرلیا کیونکہ مجھے بھی اللہ نے ہدایت دی۔



سیلاب

اسباب اور تدابیر

ڈاکٹر طارق ریاض

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں اور مخلوق سے بہت پیار ہے۔ کیونکہ ہر شے کا خالق وہ خود ہے اور اپنی چیزوں سے سبھی کو پیار ہوتا ہے۔ پھر اس کی محبت اور خلق خدا کی محبت کے پیمانے بھی جدا جدا ہیں۔ اسی لیے وہ اپنے بندوں کا امتحان لے کر اپنے سے محبت کو آزماتا ہے۔ سچی محبت کرنے والے سرخرو رہتے ہیں اور جھوٹی محبت کے دعویداروں کو لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔ پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ آزمائش و امتحان کے لمحات ہم خود بھی خرید لیتے ہیں۔ ہمارے بداعمال اور ہمارے گناہ اس کے غضب کو للکارتے ہیں۔ فطرت جوش مارتی ہے اور ہمیں اپنے کیے کی سزا مل جاتی ہے۔ دکھ، بیماری، پریشانی، زلزلے، آفات، مشکلات اور سیلاب وغیرہ اس کی طرف سے الارم ہوتے ہیں کہ سدھر جاؤ، اور اس کی کبریائی کو چیلنج نہ کرو۔ لیکن ہم زخم سہہ کر پھر بھول جاتے ہیں۔ ہم روتے، چیختے چلاتے، دعائیں مانگ مانگ کر آفت کو اپنے سر سے ٹالتے ہیں اور جیسے ہی اس کی رحمت سے ہماری جان چھوٹتی ہے اگلے لمحے ہم سب بھول بھال کر پھر بداعمالیوں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے اصولوں سے روگردانی کرتے ہیں اور ایک بار پھر اس کی طاقت کو چیلنج کرنے کا گناہ کر بیٹھتے ہیں۔

ہماری بداعمالیوں کا صلہ ہے کہ ہر سال زلزلے و سیلاب جیسے عذاب سہنے پڑتے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں سے خصوصاً سیلابوں نے دنیا بھر اور پاکستان سمیت برصغیر کے علاقوں میں بڑی تباہی مچائی ہے۔ املاک کو بھاری نقصان پہنچا ہے۔ انسانی و حیوانی اور نباتاتی حیات کا نقصان بھی سہنا پڑا ہے۔ وقتی طور پر بھاگ دوڑ ہوتی ہے اور پھر سب نظر انداز کر کے اگلی تباہی کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔ اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ اچانک اور غیر موسمی یا موسمی بارشوں کی وجہ سے سیلاب آتے ہیں۔ جس میں حقیقت بھی ہے لیکن ہمیشہ ایسے نہیں ہوتا۔ برصغیر پاک و ہند میں ہزاروں سال سے لوگ رہ رہے ہیں۔ ہم میں سے جس شخص کی عمر 100 سال ہے وہ بتا سکتا ہے کہ گزشتہ 100 برس سے اس خطے میں مون سون کا موسم آتا ہے۔ خوب بارشیں ہوتی ہیں اور ندی نالوں میں طغیانی آجاتی ہے۔ گویا صدیوں سے موسم اسی طرح چل رہا ہے۔ یہی مشیت ایزدی ہے اور اس علاقے میں موسم کا



حصہ ہے کہ بارشیں خوب برسیں۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ ساٹھ ستر برس کا شخص برسات میں پانی دیکھ کر ایسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے جیسے زندگی میں پہلے کبھی ساون بھادوں کا موسم نہ آیا ہو۔ پروردگار اپنی فطرت نہیں بدلتا۔ وہ لاکھوں سال سے اسی پیٹرن پر موسم بدلتا رہتا ہے۔ لیکن ہماری منصوبہ بندی کے کیا کہنے کہ ہر سال بارشوں کی وجہ سے گھر گر جاتے ہیں، لوگ ڈوب جاتے ہیں، دریا اُبل پڑتے ہیں، دیہاتوں کے دیہات صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں، لوگوں کی املاک و جانوں کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ لیکن ہم صدیوں سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اس برس بارشیں نہیں ہوں گی۔ اگر ہم قدرت کی منشا کو سمجھ لیتے تو گھر اس طرح کے ڈیزائن کرتے کہ بارش سے نہ گرتے۔ پانی کو ذخیرہ کرنے کی صلاحیت حاصل کرتے تاکہ انسانی آبادیاں غرق نہ ہوتیں۔ لیکن ہمیں ہوش میں آنے کے لیے شاید مزید صدیاں درکار ہیں۔

پانی کا کام ہے بہنا! وہ اپنا رستہ بنالیتا ہے۔ ہم اتنے زبردست منصوبہ ساز ہیں کہ آبی گزرگاہوں کے رستے میں (خشک ہونے پر) یا اس کے کناروں پر کارخانے، فیکٹریاں، پلازے اور گھر بنانا شروع کردیتے ہیں۔ گزشتہ برسوں کی تباہ کاریوں کو نظرانداز کرکے وقتی فوائد سمیٹ لینا چاہتے ہیں۔ پتہ تب چلتا ہے جب نئی تباہی آکر اپنا چہرہ دکھاتی ہے۔ بغیر منصوبہ بندی، مناسب ڈیزائن کے بغیر اور مستقبل کی ضروریات سے صرف نظر کرکے ہم اربوں روپے مالیت کا نقصان کروالیتے ہیں۔

درختوں کی بے جا کٹائی، جنگلات کا صفایا اور جنگلی حیات کی بربادی بھی ہماری بربادی کا پیغام لاتی ہے۔ جنگلات موسم کو معتدل رکھتے ہیں۔ ان کی جڑیں چٹانوں کو تھام کر رکھتی ہیں۔ انواع و اقسام کے حیوانات ان پر بسیرا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں صرف انسان پیدا نہیں کیے۔ اسے اپنی ہر خلق سے پیار ہے۔ اس نے بڑا نازل سا توازن قائم کر رکھا ہے۔ ہم جنگل کاٹ کر اس توازن کا ستیاناس کررہے ہیں۔ موسم گرم ہورہا ہے۔ جس کی وجہ سے لاکھوں سال سے قائم برف کے بڑے بڑے گلیشئر پگھل رہے ہیں۔ جب بارشوں کا موسم شروع ہوتا ہے۔ بہاؤ کی رفتار میں خطرناک اضافہ ہوجاتا ہے۔ پانی کا کٹاؤ اس قدر شدید ہوتا ہے کہ سامنے آنے والی کوئی شے فنا ہونے سے بچ نہیں سکتی۔ یوں قدرت خاموشی سے انسانوں کو سزا دے رہی ہے۔ بجائے اس کے ہم درختوں اور خاص کر جنگلات کو آباد کریں اور زیادہ سے زیادہ شجرکاری کرکے عطیہ خداوندی سے استفادہ کریں ہم الٹا درختوں کا قتل عام کرکے قدرت کی طاقت سے ٹکرانے کا جرم کررہے ہیں۔

اندھادھند و بے تحاشہ انسانی بستیوں کا پھیلاؤ، درختوں اور جنگلات کے کٹاؤ کے علاوہ پانی کو ذخیرہ کرنے کہ اہمیت سے ناواقفیت یا سیاسی، انتظامی و مجرمانہ غفلت بھی سیلابوں کی بڑی وجہ ہے۔ چین و بھارت جیسے ملکوں نے سیلاب کے منہ زور گھوڑے کو چھوٹے بڑے ڈیمز بنا کر تباہ کاریوں پر قابو پالیا ہے۔ لیکن ہم ابھی سوچنے کے مراحل بھی طے کرنے سے قاصر ہیں کہ اس رحمت خداوندی کو زحمت خداوندی بنا بیٹھے ہیں۔ ہر برس پاکستانی قوم اربوں روپے مالیت کے 90 ملین گیلن پانی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ جب اس نعمت سے محروم ہوجاتے ہیں تو پھر وہی گلے شکوے شروع ہوجاتے ہیں۔ سیلاب کے نقصانات میں اضافہ یوں بھی ہوجاتا ہے کہ مسلسل پانی سے زیرزمین پانی کی سطح بلند ہوجاتی ہے۔ اس کی وجہ سے بھی تباہ کاری میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ سیلاب کے نقصانات میں اضافے میں ہماری بدانتظامی و کرپشن کا بھی ہاتھ ہے۔ ہمارے ملک کا کرپٹ مافیا کروڑوں روپے کی مٹی ڈال کر دریاؤں کے بند مضبوط بناتا ہے۔ پھر کرپٹ افسران اور کرپٹ و بدعنوان سیاسی لوگ ملی بھگت سے بند اڑا دیتے ہیں تاکہ اگلے برس نئی مٹی ڈالنے کی آڑ میں نئے ٹھیکے حاصل ہوسکیں۔ سیلابوں کی آڑ میں ناقص میٹریل سے تیار کردہ پل اور سڑکوں کو ڈبو دیا جاتا ہے تاکہ کرپشن کے نشانات مٹائے جاسکیں اور تعمیراتی کاموں کی آڑ میں نئی کرپشن رقم کی جاسکے۔ یوں بدعنوان لوگ سیدھے سادھے لوگوں کو سیلاب کے پانی میں ڈبوکر ہمدردی جتا کر سیاسی فوائد سمیٹتے ہیں۔ قدرت ان سے واقف ہے۔

قصہ مختصر سیلاب صرف اچانک موسمی و غیر موسمی بارشوں کے علاوہ ہماری بدانتظامی، بدعنوانی، بغیر منصوبہ بندی کے شہروں کا پھیلاؤ، سیاسی و بدعنوان لوگوں کی نااہلی، گلوبل وارمنگ، آلودگی، گلیشئر کے پگھلاؤ، ڈیم کی تعمیر



نہ کرنا، پانی کے ذخائر تعمیر نہ کرنا اور جنگلات کے کٹاؤ کی وجہ سے آتا ہے۔لیکن اس آفت پر قابو پانا اور اس کے نقصانات کو ختم نہیں تو کم کیا جاسکتا ہے۔اگر ہم

* جنگلات کا کٹاؤ روک لیں۔
* نئے جنگلات لگائیں۔
* پانی کے راستوں کا تعین کرلیں۔
* پانی کے ذخائر قائم کریں۔
* مقامی سطح پر گورنمنٹ لوگوں کی آفات سے بچاؤ کی تربیت کا اہتمام کرے۔
* بڑے ڈیمز تعمیر کرکے سیلاب کا رخ پھیرنا ممکن ہے۔
* مکانات کے نقشہ جات کی منظوری کے وقت سیلابی حالات کو مدنظر رکھا جائے۔
* آبی گزرگاہوں کے نزدیک رہائشی کالونی، پلازے، کارخانے وغیرہ بنانے کی حوصلہ شکنی کی جائے۔
* جس ضلع میں سیلاب کی وجہ حکام کی نااہلی ہو وہاں کے ایم این اے، ایم پی اے اور DCO کو فارغ کردیا جائے۔
* سکول، کالج، مدارس اور یونیورسٹی کی سطح پر طلبہ کی مدد سے شجرکاری مہم کو کامیاب بنایا جائے۔
* محکمہ موسمیات کو جدید آلات و تحقیقی معاونات سے آراستہ کیا جائے۔
* گلوبل وارمنگ کی کمی کے لیے اقدامات کیے جائیں۔
* بھل صفائی کروائی جائے۔

اللہ پاک ہمیں عمل کی توفیق دے اور آفات سے محفوظ رکھے!

اسلام کے نام پہ ملک لیا، اسلام کو نافذ کرڈالو

(محسن فارانی)

اے پاک وطن کے باشندو! کچھ سوچو تم، کچھ غور کرو
یہ پاکستان عطیہ ہے، کیوں اس کے حفظ سے غافل ہو؟
ہے خونِ شہیداں کا صدقہ، یہ ملک بنا قربانی سے
ہے خون اس کی بنیادوں میں، بن پایا نہیں آسانی سے
ان لاکھوں شہیدوں کی روحیں دیتی ہیں پیام اس امت کو
اے اہل وطن! تم شاد رہو، آباد رہو، پر مت بھولو
کہ کُنتُم خَیرَ اُمَّةٍ ، ہے دین تمھارا وحدت کا
قرآن ہے ایک، نبی بھی اِک، پھر سارے تفرقے نازیبا
دھو ڈالو مَیل تفرقوں کا، اللہ کے بندے بن جاؤ
اللہ کی زمیں پر وحدت کا، اسلام کا پرچم لہراؤ
جو عہد کیا تھا اللہ سے، اس عہد کو پورا کر ڈالو
اسلام کے نام پہ ملک لیا، اسلام کو نافذ کر دیکھو
اللہ کی رسی پکڑو تم اور اس کی محبت کو پاؤ
ملحوظ رضائے رب رکھو، توحید کے گیت سدا گاؤ
پھر دیکھو تمھاری قسمت کو اللہ کی رجا اجالے گی
اللہ کی رحمت امڈے گی، خوشحالی ڈیرے ڈالے گی
سب فتنے دبتے جائیں گے، وحدت کا پھریرا جھومے گا
جب رب کی بات کو مانو گے تو رب بھی تمھیں نہ بھولے گا
آفات، بلاؤں سے تم کو چھٹکارا ملے گا اے لوگو!
آزادی کی اس نعمت کو ہر آن غنیمت تم سمجھو
فطرت کے مقاصد پورے ہوں، باطل کے مقابل ڈٹ جاؤ
ہے فوز و فلاح کا راز یہی باطل سے نہ تم دبنے پاؤ
محسن کی تمنا بس یہ ہے کہ بول اسلام کا بالا ہو
وہ وقت سہانا آجائے اسلام کا ہر سو چرچا ہو

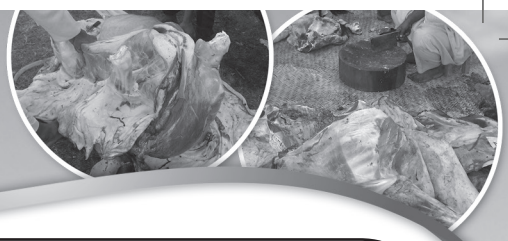


بقیہ: قربانی، پس منظر اور مقاصد

کرلیا اور اللہ کے پیغمبر کے پاس گئے اور کہا کہ یارسول اللہ! میرا یہ سارا باغ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، اس باغ میں کبھی داخل نہ ہوں گا۔ اس باغ نے مجھے نوافل سے غافل کردیا، میری نماز کی توجہ سے غافل کردیا۔ یہ سلف صالحین کی تربیت ہے۔ اللہ اکبر۔ کیسی تربیت کہ صرف اپنی نماز کی حفاظت کے لیے اور وہ بھی نوافل کی حفاظت کے لیے اور توجہ الی اللہ کی حفاظت کے لیے، حضورِ قلبی کی حفاظت کے لیے اپنے پورے باغ کو قربان کردیا۔ یہ قربانی بھی ایک تمہید ہے اصل قربانی کی تربیت کے لیے، دین اسلام پر اگر کبھی ایسی آزمائش آجائے کہ ضرورت ہو تمھارے مال کی تو مال لٹا دو، ضرورت ہو تمھاری جان کی تو جان بھی خرچ کردو اور کوئی پروانہ کرو۔

قابل افسوس وہ لوگ ہیں مغرب زدہ جو اپنے محلات میں بیٹھ کر اس قربانی پر تنقید کرتے ہیں کہ قربانی کیا ہے؟ اس دن کروڑوں جانور قربان ہوتے ہیں۔ یہ ایک ظلم ہے۔ جانور کی نسل کشی ہے۔ پیسے کا ضیاع ہے۔ یہ پیسہ اچھے کاموں میں صرف ہوسکتا ہے۔ کئی بہو بیٹیوں کے جہیز تیار ہوسکتے ہیں اور کئی ہسپتال بن سکتے ہیں، شفاخانے بن سکتے ہیں۔ یہ بے چارے مسکین لوگ، مغرب زدہ، ان کو شریعت کے رموز کا علم نہیں ہے کہ شریعت نے قربانی کے تعلق سے ایک امتحان لے رکھا ہے۔ یہ ایک امتحان ایک دن آپ پر قائم ہوتا ہے تاکہ آپ کے جذبہ قربانی کو آزمایا جائے۔ ایسے لوگ اس وقت یہ سوچ لیں جب یہ اپنی کوٹھیاں بنا رہے ہوتے ہیں۔ جب کوٹھیوں کے باتھ روم بنا رہے ہوتے ہیں۔ ایک باتھ روم پر دس دس لاکھ خرچ کردیتے ہیں، اس وقت سوچ لیں کہ یہ ایک بے کار سا عمل، یہ دس لاکھ ہم کسی کے جہیز میں خرچ کردیں، حالانکہ جہیز بھی ایک لعنت ہے۔ شادی میں عورت کی طرف سے کسی خرچے کی کوئی گنجائش نہیں، کسی خرچے کی، کسی سامان کی کوئی گنجائش نہیں سارا خرچہ مرد کی طرف سے ہے۔ حق مہر کی صورت میں، ولیمے کی صورت میں۔ ہاں جو لوگ بچی کو لینے جاتے ہیں تو بچی کے اہل خانہ اس اہتمام میں اگر ضیافت کرلیں، آنے والوں کو کھانا کھلائیں، ان کی مہمان نوازی کریں، مہمان نوازی ہمارے دین کے حقوق میں شامل ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے ہوئے اپنی وسعت کے مطابق کپڑے دیتا ہے، کوئی پیسہ دیتا ہے دے سکتا ہے لیکن جہیز نام کی اصطلاح میں دین اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ تمھارے اس قول میں ایک حلال کام کی حرمت اور ایک حرام کام کی حلت ظاہر ہورہی ہے۔ یہ شریعت سے محاذ آرائی ہے پوری کی پوری۔ جو شریعت کا حکم ہے اس کو ختم کرنا چاہتے ہو اور جس سے شریعت نے روکا اس کے تم دروازے کھول رہے ہو۔

نسل کشی جانوروں کی، تم جانوروں کے خالق ہو کہ تمھیں اپنی اس نسل پر افسوس ہورہا ہے۔ یہ خالق اور مالک تو اللہ ہے۔ اور جس قدر جانور ذبح ہوتے ہیں اس قدر ان کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ یہ جانور قیامت تک ذبح ہوں گے تو ان کی تعداد کو پیدا کرنا اللہ کی ذمہ داری ہے۔ اور اللہ رب العزت پیدا کررہا ہے۔ ایک بکری ایک وقت میں ایک بچہ جنتی ہے اور بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ ہم دیکھتے ہیں۔ گائے بھینسوں کے، اونٹوں کے ریوڑ کے ریوڑ ہم دیکھتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک کتیا ایک وقت میں چھ چھ سات سات بچے جنتی ہے، کبھی آپ نے کتوں کا ریوڑ دیکھا ہے؟ حالانکہ ان کی کوئی قربانی بھی نہیں۔ ان جانوروں کی قربانی ہونے کے باوجود، ایک بچہ پیدا کرنے کے باوجود ان کا ریوڑ کا ریوڑ یہ میرے پروردگار کی قدرت ہے۔ اور اس کی توفیق اور اس کا امر ہے۔ اس کا یہ امر قیامت تک ہے اور قیامت تک یہ نسل قائم رہے گی۔ نسل کشی کی تمھیں کیا فکر ہے؟ کیا فکر تم کو نسل کشی کی؟ اللہ کا امتحان، پیغمبر علیہ السلام کی سنت، پیغمبر علیہ السلام کا عمل، آپ نے کبھی اس میں انقطاع نہیں کیا، کبھی اس میں ناغہ نہیں کیا۔ تو ان لوگوں کی یہ روش انتہائی قابل افسوس ہے۔ شریعت میں تحریف اور تبدیلی کے مترادف ہے۔ یہ اللہ کا امر قیامت تک قائم رہے گا۔ اور پیسے کا ضیاع نہیں ہے۔ اس میں تو کئی خاندانوں کا، میں کہتا ہوں کہ لاکھوں، ہوسکتا ہے کروڑوں خاندانوں کا رزق اس عمل سے وابستہ ہو۔ لوگ گاؤں، دیہاتوں میں جانور پالتے اور پھر عید قربانی کے موقع پر ان جانوروں کو ٹرکوں کے ذریعے لاتے ہیں۔



ٹرکوں والوں کے لیے آمدنی، پھر لاکر فروخت کرتے ہیں ایک بابرکت منافع کے ساتھ، یہ ان کی آمدنی، ان کے بچوں کی روزی، پھر لوگ خریدتے ہیں، خرید کر دو دن، چار دن، دس دن، بیس دن ان جانوروں کو چارہ کھلاتے ہیں، چارے والے لاکھوں افراد کی آمدنی، پھر جانور ذبح ہوتے ہیں اور قصاب ذبح کرکے مزدوری وصول کرتے ہیں، اس مزدوری کے تحت وہ کئی مہینوں کا رزق اپنے اہل کے لیے جمع کرلیتے ہیں۔ پھر گوشت بنتا ہے اور گوشت تقسیم ہوتا ہے، امیر بھی کھاتے ہیں اور غریب بھی کھاتے ہیں اور پوری دنیا کھا رہی ہے۔ کس قدر برکت! اس کا چمڑا جو ہے وہ غریبوں کے لیے ہے اور غریبوں پر صدقہ ہوتا ہے۔ اسے فروخت کرکے مزید وہ مال حاصل کرسکتے ہیں۔ اداروں کی سرپرستی ہوسکتی ہے۔ لوگ ان کو خریدتے ہیں۔ خریدنے کے بعد بڑے بڑے کاروباری ان کو بیچتے ہیں۔ اس چمڑے سے مصنوعات تیار ہوتی ہیں۔ ان مصنوعات سے کاروبار ہوتا ہے۔ مرکزی سطح پر، انٹرنیشنل سطح پر کاروبار ہوتے ہیں۔ کتنے افراد اس سے وابستہ ہیں! اور پھر اس جانور کی آنتیں، اور ان کے ناخن اور دانت ہر چیز کی تجارت ہے اور ہر چیز کا جو ہے کاروبار ہے۔ یہ ایک دن آتا ہے اور ہزاروں لاکھوں لوگوں، ان کے خاندانوں کی معیشت کا مرکز بن جاتا ہے۔ اور سبب بن جاتا ہے۔ اللہ کا امر کس قدر بابرکت ہے۔ کتنا عظیم ہے اور کتنی اس میں عظمتیں ہیں۔ اللہ رب العزت ان لوگوں کو جن کے ذہن مغرب کے امراض سے مسموم ہیں ہدایت دے دے۔ ان کے دلوں میں تقویٰ، توحید کی پاکیزگی، سنت رسول کی محبت، اخلاص کی محبت جاگزیں ہوجائے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس موقع پر سرخرو فرمادے۔ ہم سب کا امتحان ہے، جانور خریدیں اور اللہ کے شعائر کی تعظیم کریں، اچھے طریقے سے ذبح کریں، اخلاص کی حفاظت کے ساتھ، توحید کے فہم کے ساتھ اور اللہ کے پیغمبر کی سنت کی اتباع کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توحید کی، اخلاص کی، سنت کی متابعت کی محبت عطا فرمادے۔

کسی ساتھی نے سوال کیا ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ کس دن رکھنا چاہیے؟ یوم عرفہ سعودی تقویم کے لحاظ سے ہم سے ایک دن پہلے ہوتا ہے، اس دن ہمارا آٹھ ذوالحج ہوتا ہے تو وہاں نو ذوالحج ہوتا ہے اور یوم عرفہ وہاں ہم سے ایک دن پہلے ہوتا ہے۔ ہم کب رکھیں؟

جواب: بھئی روزہ اگر آٹھ کو رکھنا ہے سعودی تقویم کے مطابق تو پھر قربانی بھی نو کو کرو سعودی تقویم کے مطابق۔ یہاں جو امر ہے اللہ رب العزت کا حج کے تعلق سے، رمضان کے تعلق سے، عیدین کے تعلق سے اور ان ماہ و سال کے تغیرات کے تعلق سے تو یہ چاند کی رؤیت سے ہے۔ ہم اپنی چاند کی رؤیت کا اعتبار کریں گے۔ آپ ایسا کریں کہ آج سے دو سو سال پہلے چلے جائیں۔ آج تو وسائل بے شمار ہیں۔ سعودی چاند کا آپ کو علم ہوجاتا ہے۔ دو سو سال پہلے سعودی چاند کا علم کسی کو نہیں ہوتا تھا۔ وہ لوگ صرف چاند کا اعتبار کرکے روزہ رکھتے تھے، عید کرتے تھے، رمضان کرتے تھے۔ وہی چیز اصل ہے۔ اصل یہ وسائل نہیں ہیں، یہ میڈیا نہیں ہے۔ اصل شریعت کا حکم ہے اور شریعت کا حکم چاند کے ساتھ ہے۔ اور پھر روزہ اجتماعی عمل ہے اور یہ قربانی بھی اجتماعی عمل ہے۔ یہ انفرادی عمل نہیں ہے کہ دنیا قربانی نہیں کررہی اور ایک شخص قربانی کررہا ہے کہ سعودی عرب میں آج عید ہے۔ یہ انفرادی عمل نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے: «اَلْاَضْحٰی یَومَ یُضَحِّی النَّاسُ» ''قربانی اس دن ہے جس دن سب قربانی کریں۔'' (جامع الترمذی 809) تو چونکہ ہماری اپنی ایک رؤیت ہے۔ اس کا ہم اعتبار کریں گے۔ اور اس کا اعتبار کرکے جو ہمارا نو ذوالحج ہے اس کے تحت ہم روزہ رکھیں گے نا کہ سعودی تقویم کے مطابق۔ ہاں! اگر ہمارے حکام، ہماری گورنمنٹ اپنے کیلنڈر کو سعودی کیلنڈر سے منسلک کردے اور پھر سعودی اطلاع ہم کو پہنچ جائے تو پھر تو قابل قبول ہوگی کیونکہ اجتماعی عمل ہے انفرادی عمل نہیں ہے۔ تو پھر تو یہ قابل قبول ہوسکتی ہے، یعنی انفرادی اعتبار سے نہیں، لہٰذا ہم اپنے چاند کا اعتبار کرکے روزہ رکھیں گے اور جس دن ہمارا نو ذوالحج ہوگا اس دن ہم روزہ رکھیں گے اور دس ذوالحج کا دن ہمارا یوم النحر ہوگا، قربانی کا پہلا دن اس کے بعد تین دن مزید قربانی کے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمادے۔



گنی بِسّاؤ

محسن فارانی

نام: جمہوریہ گنی بساؤ (ری پبلیکا ڈا گنی بساؤ)

رقبہ:36,125 مربع کلومیٹر

آبادی:16 لاکھ 47 ہزار

دارالحکومت: بساؤ

یوم آزادی:24 ستمبر 1973ء

سرکاری زبان: پرتگالی (پرتگیز)

قومی زبان: اپر گنی کریول

نظام حکومت: وحدانی نیم صدارتی جمہوریہ

فی کس آمدنی:1222 ڈالر

شرح خواندگی: 55.3 فیصد

سکہ: مغربی افریقی فرانک (CFA)

ٹریفک: دائیں طرف

گنی بِساؤ کہاں ہے؟

گنی بساؤ ساحل اوقیانوس پر مغربی افریقہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ گنی بساؤ (Guinea Bissau) کے شمال میں سینی گال، جنوب و مشرق میں گنی اور مغرب میں بحراوقیانوس واقع ہے۔ شمال میں گیمبیا اور گنی بساؤ کے درمیان سینی گال کی پٹی حائل ہے۔

گنی بساؤ کی قدیم تاریخ

گنی بساؤ اور ہمسایہ ملک گنی کی قدیم تاریخ بڑی حد تک مشترک ہے۔ ایک زمانے میں گنی بساؤ گابو بادشاہت کا حصہ تھا جو کہ سلطنت مالی کے ماتحت (باجگزار) ریاست تھی۔ گابو بادشاہت 18ویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔

یورپی سامراج گنی بساؤ میں

سب سے پہلا یورپی جہازران جو گنی بساؤ کے ساحل پر پہنچا، وینس (اٹلی) کا الوائس کاڈا موستو تھا۔ وہ 1455ء میں گنی کے ساحل پر لنگرانداز ہوا تھا۔ پھر فرانسیسی تاجر اور جہازران یوستاش ڈی لافوس نے 80-1479ء میں ساحل گنی بساؤ کا سفر کیا۔ 1480ء کی دہائی میں پرتگالی جہازران ڈائیوگو کاؤ گنی بساؤ کے ساحل سے گزر کر دریائے کانگو کے دہانے اور ارض یاکونگو (موجودہ انگولا) تک سفر کرتا گیا۔

ساحل گنی بساؤ پر پرتگال کا قبضہ

پندرھویں صدی میں پرتگالیوں نے گنی بساؤ کے ساحل اور ساحلی جزائر پر قبضہ کرکے یہاں بساؤ اور کیشیو کے تجارتی اڈے قائم کرلیے جبکہ اندرونی علاقے گابو بادشاہت میں شامل رہے۔ پرتگالیوں نے یہاں غلاموں کی تجارت کو فروغ دیا۔ ان دنوں سینی گال سے لے کر گیمبیا، گنی بساؤ، گنی، سیرالیون اور لائبیریا تک کا ساحلی علاقہ ''ساحل غلامان'' (Slave Coast) کہلاتا تھا اور غلام سازی کے اس شرمناک دھندے میں پرتگالی، ہسپانوی، فرانسیسی، ڈچ (ولندیزی) اور برطانوی سب شریک تھے۔ 1879ء میں پرتگالیوں نے گنی بساؤ کو اپنی نوآبادی قرار دے دیا۔

ہاتھی دانت کا ساحل اور سونے کا ساحل

لائبیریا کے مشرق میں ساحل گنی کا علاقہ



ہاتھی دانت کا ساحل (آئیوری کوسٹ Ivory Coast یا ساحل العاج) کہلاتا تھا کیونکہ یہاں سے ہاتھی دانت یورپ پہنچتے تھے۔ آئیوری (انگریزی) اور عاج (عربی) کے معنی ہیں ہاتھ دانت۔ ادھر آئیوری کوسٹ کے مشرق میں گھانا ہے جسے آزادی سے پہلے انگریزوں نے گولڈ کوسٹ (سونے کا ساحل) کا نام دے رکھا تھا، چنانچہ اسلامی سلطنت مالی اور سلطنت غانا کا سونا چھیننے کے لیے یورپی قزاق یہیں سے دھاوے کرتے تھے۔

گنی بساؤ کا پرتگالی نام

''گنی'' پرتگالی لفظ ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں پرتگالیوں نے دریائے سینی گال کے جنوب میں ان علاقوں کو گنی (Guine) کا نام دیا تھا جہاں کالے افریقی آباد تھے اور ان کالے لوگوں کو وہ ''گنیوس'' (Guineus) کہتے تھے۔ گنی ہی سے مغربی افریقہ کی خلیج گنی (Bay of Guinea) مشہور ہے جو بحر اوقیانوس کا ایک حصہ ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

دنیا میں گنی نام کے چار ممالک ہیں: گنی، گنی بساؤ، استوائی گنی اور پاپوا نیو گنی۔ یہ چاروں بالترتیب فرانس، پرتگال، سپین اور جرمنی (بعد میں آسٹریلیا) کے قبضے میں رہے۔ پہلے تینوں ساحل گنی (افریقہ) پر واقع ہیں جبکہ پاپوانیوگنی آسٹریلیا کے شمال مشرق میں بحرالکاہل کے اندر ہے اور یہ دراصل دنیا کے دوسرے بڑے جزیرے ''نیوگنی'' کا مشرقی نصف ہے۔ مغربی نصف (ایریان جایا) انڈونیشیا کا حصہ ہے۔

گنی بساؤ میں اسلام

گنی بساؤ میں اسلام گیارھویں صدی عیسوی میں عہد مرابطین میں داخل ہوا۔ تحریکِ مرابطین موریتانیا، اور سینی گال کے راستے بساؤ میں پہنچی اور یہاں مرابطین کے تبلیغی مرکز (رباط) قائم ہوئے۔ آج بھی جنوب مشرقی گنی بساؤ میں ''مدینہ'' نامی قصبہ موجود ہے جو اسلام اور عربی کے اثرات کی نشانی ہے۔ گنی بساؤ میں پہلا رباط 1040ء میں قائم ہوا تھا۔ مرابطین کے علاوہ شمالی افریقہ کے تاجروں نے بھی اس خطے میں اسلام پھیلانے میں اہم خدمات انجام دیں۔

مساجد اور قرآنی مدارس

گنی بساؤ کے شہروں اور قصبوں میں چھوٹی بڑی 500 مساجد ہیں۔ اکثر مساجد میں قرآنی تعلیم کے مدارس قائم ہیں جو ''کتاتیب'' کہلاتے ہیں۔ ان میں قرآن ناظرہ، حفظ اور عربی زبان کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ کتاتیب مغربی افریقہ میں عام ہیں جہاں لمبی لمبی چوبی تختیوں پر استاد طلبہ کو عربی اور قرآن سکھاتے ہیں۔

آبادی کا تناسب

گنی بساؤ کی 55 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ شمال اور شمال مشرق میں آباد فولا اور مینڈنکا قبائل مسلمان ہیں۔ ملک میں 10 فیصد عیسائی (بیشتر کیتھولک)، 2 فیصد احمدی (قادیانی) اور باقی ارواح پرست اور بت پرست ہیں۔ کچھ تعداد مخلوط چینی و پرتگالی نسل کے لوگوں کی ہے جو ہانگ کانگ کے نزدیک واقع پرتگالی نوآبادی مکاؤ پر چین کے قبضے (1999ء) کے بعد گنی بساؤ میں آن بسے۔ مخلوط پرتگالی افریقی نسل کے لوگ Mesticos کہلاتے ہیں۔

گنی بساؤ میں تحریک آزادی

1956ء میں ''افریقن پارٹی برائے آزادیٔ گنی وکیپ وردی'' (PAIGC) نے امیلکار کبرال کی قیادت میں مسلح بغاوت کا آغاز کیا اور پرتگالی گنی کے خاصے حصے پر قبضہ جما لیا۔ تحریک آزادی کو ہمسایہ ممالک سے مدد اور کیوبا، چین اور روس سے اسلحہ ملتا تھا۔ کیوبا سے فوجی ماہرین، ڈاکٹر اور مستری بھی آتے تھے۔ 1973ء تک ملک کے بڑے حصے پر PAIGC کا قبضہ ہوگیا حتی کہ 24 ستمبر 1973ء کو اس نے آزادی کا اعلان کردیا۔ اس سے پہلے جنوری 1973ء میں امیلکار کبرال کو قتل کردیا گیا تھا۔ 25 اپریل 1974ء کے پرتگالی فوجی انقلاب کے بعد دنیا نے گنی بساؤ کی آزادی تسلیم کرلی۔ آزادی کے بعد بیشتر پرتگالی ملک چھوڑ کر چلے گئے۔

آزادی کے بعد قتل عام

امیلکار کے بھائی لوئی کبرال آزاد گنی بساؤ کے پہلے صدر بنے۔ آزادی کے بعد PAIGC نے ہزاروں کی تعداد میں مقامی سپاہی قتل کردیے جنھوں نے گوریلوں کے خلاف پرتگالی فوج کا ساتھ دیا تھا۔ بعض بچ کر پرتگال یا دوسرے افریقی ممالک میں چلے گئے۔ ایک بڑا قتل عام بسورا نامی شہر میں ہوا تھا۔ 1975ء

میں پرتگال نے جزائر راس الاخضر یا کیپ وردی آئی لینڈز کو ایک الگ ملک کی حیثیت سے آزادی دے دی۔ یہ جزائر سینی گال میں افریقہ کے سب سے مغربی سرے راس الاخضر (Cape Verde) کی نسبت سے کیپ وردی کہلاتے ہیں۔

گنی بساؤ کے دو فوجی انقلاب

1984ء تک گنی بساؤ میں ایک انقلابی کونسل کا کنٹرول رہا۔ 1984ء میں ملک میں پہلے کثیر جماعتی انتخابات ہوئے اور جواؤ برنارڈو وائیرا صدر مملکت بنے۔ مئی 1998ء میں ملک کو خانہ جنگی نے آلیا اور اگلے سال جون میں صدر وائیرا کا تختہ الٹ دیا گیا۔ پھر 2000ء کے انتخابات میں PRS (پارٹی فار سوشل رینیول) کے امیدوار کمبا ایالا برسراقتدار آئے۔ ستمبر 2003ء میں دوسرا فوجی انقلاب برپا ہوا اور صدر ایالا گرفتار کر لیے گئے۔ مارچ 2004ء میں قانون ساز اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ اسی برس ستمبر میں ایک فوجی دھڑے کی بغاوت میں آرمی چیف مارا گیا۔

صدر وائیرا کا دوسرا دور اور قتل

پرتگالی صلیبی سامراج کی طویل حکمرانی میں یہاں مسیحی اقلیت وجود میں آئی جو انتظامیہ اور فوج پر غالب رہی، چنانچہ آزادی کے بعد بیشتر عیسائی حکمران مسلط رہے۔ جون 2005ء کا صدارتی انتخاب بھی سابق عیسائی صدر جواؤ برنارڈو وائیرا نے جیت لیا۔ تین سال بعد نومبر 2008ء میں PAIGC نے پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کر لی۔ 2 مارچ 2009ء کو صدر وائیرا قتل کر دیے گئے جبکہ ایک دن پہلے بم دھماکے میں عیسائی جنرل باٹسٹا تگمے (ہیڈ آف دی جوائنٹ چیفس آف سٹاف) مارا گیا تھا۔ فوجی افسران نے عیسائی سپیکر قومی اسمبلی ریمنڈو پرائرا کو عبوری صدر بنا دیا۔

جون 2009ء میں مسلم صدر

جون 2009ء کا صدارتی انتخاب PAIGC کے امیدوار رشیدی معلم بکائی سانہا نے جیت لیا۔ مسلمان صدر رشیدی سانہا 2012ء میں وفات پا گئے تو جوزماریو واز (مسیحی) صدر بن گئے۔

گنی بساؤ کا جغرافیہ

گنی بساؤ زیادہ تر نشیبی ساحلی میدان پر مشتمل ہے جس میں دلدلیں ہیں۔ مشرق کی طرف بلند علاقے میں جنگلات اور گھاس کا میدان (سوانا) ہے۔ یہیں ملک کا بلند ترین مقام (300 میٹر اونچا) ہے۔ آب و ہوا مون سون کی سی ہے جس میں گرم خشک وقفے آتے ہیں جب صحرائے اعظم کی طرف سے ہوائیں حرمتّان (Harmattan) چلتی ہیں۔ گنی بساؤ کے ساحل سے ہٹ کر مجمع الجزائر بیجا گوس واقع ہے جو چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے۔ ملک میں دو اہم دریا ہیں۔ دریائے گیبا خلیج بولاما میں اور دریائے کاچیو خلیج ڈی جیٹا میں گرتا ہے۔ موسم برسات جون سے اکتوبر تک رہتا ہے۔ دسمبر تا اپریل خشک سالی رہتی ہے۔ اوسط درجہ حرارت 26.3 سنٹی گریڈ ہے جس میں معمولی کمی بیشی ہوتی ہے۔

ملک کی انتظامی تقسیم

گنی بساؤ آٹھ علاقوں (Regioes) اور ایک خودمختار سیکٹر میں بٹا ہوا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: بگاٹا، بیومبو، بساؤ (خودمختار سیکٹر)، بولاما (اسی میں جزائر بیجا گوس شامل ہیں)، کاچیو، گابو، اوئیو، قیونارا، ٹومبالی۔

گنی بساؤ میں کوکین ٹریفک

2005ء سے لاطینی امریکہ کے منشیات کے تاجروں نے گنی بساؤ اور ہمسایہ افریقی ممالک میں کوکین کے تجارتی اڈے بنا لیے۔ یہاں سے وہ یورپ کو کوکین فراہم کرتے ہیں۔ مہلک نشہ آور کوکین کوکا نامی پودے سے حاصل ہوتی ہے جو جنوبی امریکہ کے ممالک بولیویا اور پیرو میں اگتا ہے۔

گنی بساؤ کی پیداوار

اس ملک کی پیداوار مونگ پھلی، کیشیونٹ، پام آئل اور مچھلی پر مشتمل ہے جنھیں زیادہ تر برآمد کیا جاتا ہے۔

گنی بساؤ CFA فرانک سے منسلک

سیاسی ابتری اور اقتصادی بدحالی کے نتیجے میں 1997ء میں گنی بساؤ CFA فرانک مالیاتی نظام میں شامل ہو گیا، چنانچہ اس وقت سے پیسو (پرتگالی سکہ) کے بجائے گنی بساؤ کا سکہ CFA فرانک ہے جو بیشتر سابق فرانسیسی نوآبادیوں میں رائج ہے۔

گنی بساؤ کے مشہور شہر

بساؤ: یہ خلیج بولاما کے شمالی ساحل پر واقع ہے



جہاں دریائے گیبا خلیج میں گرتا ہے۔ اس کی آبادی تقریباً ایک لاکھ دس ہزار ہے۔ یہ ملکی دارالحکومت ہے۔

بفاٹا: یہ ملک کے وسط میں دریائے گیبا کے کنارے واقع ہے۔ یہ ملک کا دوسرا بڑا شہر اور علاقائی دارالحکومت ہے۔ آبادی 14 ہزار کے قریب ہے۔

گابو: یہ ملک کا پانچواں بڑا شہر ہے اور مشرقی صوبے گابو کا دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 8 ہزار ہے۔

بولاما: ملک کا تیسرا بڑا شہر ہے جو خلیج بولاما کے جنوب مشرق میں ایک جزیرے پر واقع ہے۔ اس کی آبادی 9 ہزار سے زائد ہے۔

بوباق: یہ ملک کا چوتھا بڑا شہر ہے۔ آبادی ساڑھے آٹھ ہزار ہے۔ یہ بوباق نامی جزیرے پر واقع ہے۔

گنی بساؤ کی زبانیں

ملک کی 14 فیصد آبادی پرتگالی بولتی ہے جو سرکاری زبان ہے جبکہ 44 فیصد لوگ کرائیول (Kriol) زبان بولتے ہیں جو پرتگالی زبان پر مبنی کریول (Creole) ہے۔ کرائیول رابطے کی زبان ہے۔ باقی افریقی قبائل مختلف مقامی زبانیں بولتے ہیں۔ سکولوں میں فرانسیسی بھی پڑھائی جاتی ہے کیونکہ گنی بساؤ فرانسیسی بولنے والے ملکوں میں گھرا ہوا ہے۔

خوراک اور غذائیں

گنی بساؤ کے ساحلی علاقوں کی خوراک زیادہ تر چاول ہے جبکہ اندرون ملک باجرہ عام خوراک ہے۔ یہاں سوپ اور بھنا گوشت پسندیدہ غذائیں ہیں۔ ان میں رتالو (Yam)، شکرقندی، کساوا، پیاز، ٹماٹر اور کیلا (Plantain) استعمال ہوتے ہیں۔ ان پکوانوں میں گرم مسالے، مرچ اور گنی مرچ ڈالے جاتے ہیں۔

بقیہ: فرقہ واریت کا ذمہ دار کون

پالیسی کے تحت ملک سے اہل سنت کا نام و نشان مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ محترمہ نے مزید کہا کہ ایرانی حکومت کا یہ مجرمانہ فعل، فرقہ واریت اور اہل سنت کے ساتھ نفرت کا واضح ثبوت ہے۔ یہ کیسے مذہبی جنونی ہیں جو اپنے مزاروں کو بھی کعبے کا درجہ دیتے ہیں اور مخالف مسلک کی ایک مسجد بھی برداشت نہیں۔ محترمہ رجوری نے عالمی برادری، یورپی یونین، امریکہ اور انسانی حقوق کے عالمی اداروں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ایران میں مساجد کی شہادتوں اور اہل سنت مسلک کو دیوار سے لگانے کی پرتشدد پالیساں بند کروائیں۔

مشرق وسطیٰ اور خاص کر عراق، شام اور یمن میں اپنے توسیع پسندانہ عزائم اور خمینی فکر کو مسلط کرنے کے حصول کے لیے ایران گزشتہ تین دہائیوں سے فرقہ وارانہ پالیسیوں کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ جبکہ عالم اسلام کے زیادہ تر مذہبی اور سیاسی حلقوں میں ایران کی اس تشدد آمیز تعصب پالیسیوں پر شدید تنقید کی جارہی ہے۔ جس نے اسلامی ملکوں کی سلامتی کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ انتہائی ادب کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ مشرق وسطیٰ کے پرامن مسلمان ملکوں میں ایرانی مذہبی قیادت کی موجودہ فرقہ وارانہ پالیسی اور دنیا کی پہلی ناجائز اور نسل پرست ریاست (اسرائیل) کی فلسطینیوں کے دہشت گردانہ پالیسی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

قابل صد احترام قارئین! خیال رہے کہ ایران کی موجودہ تعصب بھری فرقہ واریت پر مبنی پالیسیوں میں خمینی انقلاب کے آنے کے بعد انتہائی شدت آئی ہے۔ اہل سنت کے ساتھ معاندانہ روش صرف ایران کے اندر تک محدود نہیں بلکہ عراق، شام، بحرین اور اب یمن میں سرگرم ایران نواز دہشت گرد شیعہ ملیشیائیں اہل سنت کش کارروائیوں میں بھرپور حصہ لے رہی ہیں۔ اس گھناؤنے اور شرمناک فعل میں اگر پہلا نمبر ایرانی متشدد مذہبی قیادت کا ہے تو دوسرا متعصب ایرانی ذرائع ابلاغ کا اور تیسرا ان غیر ایرانی مسلح جتھوں کا جو قم کے اشارے پر مشرق وسطیٰ میں محو ابلیسی رقص کر رہے ہیں۔ گزشتہ تین دہائیوں سے مشرق وسطیٰ کے تین ممالک کو تہہ تیغ کرنے اور ایک ملین سے زائد مسلمانوں کو وحشیانہ طریقے سے قتل و غارت کرنے کے بعد (بغل میں چھری منہ میں رام رام) کے مصداق اب بھی اتحاد بین المسلمین کا نعرہ لگایا جارہا ہے۔ جس سے قرآن و سنت سے نابلد اور سادہ لوح مسلمان فوری طور پر ان خوش نما اور منافقانہ نعروں سے جلد متاثر ہو کر لاشعوری طور پر اپنا اور ملت اسلامیہ کے نقصان کا موجب بن جاتے ہیں، اور دنیا و آخرت بھی تباہ و برباد کر لیتے ہیں۔